جو شخص میری اُمت کے لئے اُمورِ دین سے متعلق چالیس اَحادیث یاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا۔
(الدار قطنی فی العلل، رقم الحدیث: 959).

تجارت و معیشت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس اَحادیثِ مبارکہ کا مجموعہ

اَربعینِ تجارت و معیشت



اَز اِفادات:
مفتیٔ اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

مؤلف:
مفتی سید صابر حسین

شعبہ نشر و اشاعت: اَلمنیب شریعہ اکیڈمی، کراچی۔

جوشخص میری اُمت کے لئے اُمورِ دین سے متعلق چالیس اَحادیث یاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا۔
(الدارقطنی فی العلل، رقم الحدیث: 959).

تجارت ومعیشت کے مُتعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چالیس اَحادیثِ مبارکہ کا مجموعہ

اَربعینِ تجارت ومعیشت

اَز اِفادات:
مفتیٔ اعظم پاکستان
پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

مؤلف:
مفتی سید صابر حسین

شعبہ نشرواشاعت: اَلمُنیب شَرِیعَہ اَکیڈمی، کراچی۔

عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَّنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ

اُمیرالمومنین ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔ چنانچہ جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی رضا) کے لئے ہو، تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے لئے ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو، تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے، جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النیۃ فی الایمان، رقم الحدیث: 6689)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثاً مِنْ اَمْرِ دِيْنِهَابَعَثَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقِيْهًاعَالِمًا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اُمت کے لئے اُمورِ دین سے متعلق چالیس اَحادیث یاد کرے، تو اللہ تعالٰی اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا، (الدار قطنی فی العلل، رقم الحدیث:959).

قَالَ عَنْ عَلِيٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي،ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قِيْلَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَ مَنْ خُلَفَاءُ كَ؟ قَالَ: اَلَّذِيْنَ يَاتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ وَيَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِي وَ سُنَّتِيْ وَ يُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خلفاء وہ لوگ ہیں، جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیثوں اور میری سنتوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو سکھائیں گے۔(جامع الاحادیث، باب مسند علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، رقم الحدیث:33253)۔

ملنے کے پتے:

مکتبہ غوثیہ، دارالعلوم غوثیہ پرانی سبزی منڈی، کراچی 021-34910584

مکتبۃ البرکات، بہار شریعت مسجد، بہادرآباد، کراچی 0213-4219324

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی 0300-2180093

مکتبہ عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نزد فیضانِ مدینہ مسجد، سیکٹر 5-B/2، نارتھ کراچی، 0313-2800520

کتاب: اَربعینِ تجارت ومعیشت

از اِفادات: پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

مؤلف: مفتی سید صابر حسین 0321-2880864

☆اِنتساب☆

میں اپنی اس علمی وتحریری کاوِش کو اپنے پیرومرشد حضور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان صاحب قادری بریلوی الازہری دامت برکاتہم العالیہ کے نام منسوب کرتا ہوں، جن کے دریائے فیض سے مجھ ناچیز سمیت ایک دنیا سیراب ہورہی ہے۔

اَلْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ

سید صابر حسین

اِظہارِ خیال!

مفتیِ اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

دین سے متعلق چالیس اَحادیثِ مبارکہ یاد کرنے والے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اُسے قیامت کے دن علماء وفقہاء کی جماعت میں اُٹھایا جائے گا۔ اِس بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق بننے کے لئے ہر دور میں بہت سے صلحاءِ اُمت نے ''چہل اَحادیث'' کے نام سے کتابچے ورسائل مرتب کئے ہیں۔ عام طور پر یہ رسائل فضائل پر مشتمل ہوتے ہیں، لیکن مفتی سید صابر حسین نے معاملات کے شعبے کو چُنا اور مالی معاملات، بیع وشراء اور حقوق العباد سے متعلق اَحادیث کریمہ جمع کر کے اہلِ تجارت ومعیشت کو اُن کی شرعی، قانونی اور اَخلاقی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔ اِن اَحادیث میں حقوق اللہ بھی ہے اور حقوق العباد بھی۔ لہٰذا اگر اہلِ علم اور اہلِ تجارت پابندیٔ شریعت ہوجائیں تو اِس کے مثبت اَثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہ بلاشبہ خدمتِ حدیث، سعادتِ حفظِ حدیث اور لوگوں کے مالی معاملات میں اِصلاح کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ عام طور پر فضائل کی اَحادیث کو سن کر اور پڑھ کر ہم رُوحانی حظ (spiritual Satisfaction) حاصل کرتے ہیں، لیکن دینی و روحانی اِرتقاء کے لئے عملی اِصلاح بھی ضروری ہے اور اِسی سے معاشرے میں برکتوں کا ظہور ہوتا ہے، ایک دوسرے کے لئے اِحترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا احساس ہوتا ہے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعیٔ جمیل کو اپنی بارگاہ میں مشکور وماجور فرمائے اور اہلِ تجارت ومعیشت کو اِس سے اِستفادہ کی سعادت عطا فرمائے۔

اَلْعَبْدُ الضَّعِيْفُ

منیب الرَّحمٰن

حدیثِ دل!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ، وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَ عَلٰى صَحَابَتِهِ الصِّدِّيْقِيْنَ الْكَامِلِيْنَ وَ عَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن

عرصہ دراز سے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چالیس اَحادیث کریمہ کی روشنی میں ایک ایسی کتاب تحریر کروں، جس میں تجارت ومعیشت کے فضائل اور احکام عام فہم اور سہل انداز میں پیش کردیئے جائیں۔ اس سے ایک طرف تجارت کے شعبہ سے وابستہ افراد کو اسلامی نہج میں تجارتی ومعاشی معاملات انجام دینے میں رہنمائی مل سکے تو ساتھ ہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُس فرمان پر بھی عمل ہوسکے، جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ''جو شخص میری اُمت کے لئے اُمورِ دین سے متعلق چالیس اَحادیث یاد کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں اُٹھائے گا''۔ اگرچہ اس سے پہلے ہر زمانے میں محدِّثینِ کرام نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِس حدیث مبارک پر عمل کرتے ہوئے، مختلف موضوعات مثلاً زہد وتقویٰ، جہاد اور آدابِ معاشرت پر چالیس احادیث کو جمع فرمایا ہے، لیکن راقم کی ناقص معلومات کے مطابق تجارت ومعیشت پر ایسا کوئی مجموعہ منصۂ شہود پر نہیں آیا۔ چنانچہ برکت حاصل کرنے اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس سوچ کے ساتھ ''اَربعینِ تجارت ومعیشت'' کے نام سے چالیس احادیثِ کریمہ کو جمع کیا کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ اپنے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِن مقدّس اَحادیثِ کریمہ کے طفیل مجھ گناہ گار کی مغفرت فرمادے (اٰمین)۔

تجارت ومعیشت معاملاتِ زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے قرآنِ مجید اور رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اپنی احادیثِ کریمہ میں اِن کے تمام پہلوؤں پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، تاکہ اِن کو کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔ آج اکثر تاجر حضرات بے شمار تجارتی خرابیوں کا شکار ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کی خاطر کسی بھی غیر شرعی وغیر قانونی کام سے نہیں رکتے۔ تجارت میں جھوٹ، رشوت، دھوکہ، جھوٹی قسم اور ملاوٹ ایک عام سی بات ہوچکی ہے۔ کچھ تاجر ایسے بھی ہیں، جو ایمان داری سے اپنے معاملات انجام دینے کے خواہاں ہیں، لیکن شرعی احکام سے لاعلمی کی وجہ سے چاہت کے باوجود وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ لہٰذا ان دونوں قسم کے تاجروں کے لئے یہ کتاب اِنتہائی سودمند ہے۔ اس کی روشنی میں وہ اپنے معاملات کا جائزہ لے کر اُنہیں درست کرسکتے ہیں۔

کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی غرض سے موضوع کے تحت دی گئیں احادیثِ کریمہ کی تخریج بھی کردی گئی ہے۔ تخریج میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اِس میں اَحادیث کی مختلف کتابوں سے حوالے درج کئے گئے ہیں، لہٰذا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ احادیثِ کریمہ کا مفہوم تو ایک ہو، لیکن الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہوجائے۔

اِس کتاب کے لکھنے میں مفتیٔ اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب اور جمیل العلماء مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ کی حوصلہ اَفزائی اور روحانی فیض میرے شاملِ حال رہے۔ مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اِس کتاب کو حرف بحرف ملاحظہ فرمایا اور اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ جہاں کہیں بھی اِصلاح کی گنجائش تھی، مفتی صاحب کے مشورے پر تبدیلی کردی گئی اور آپ کی فکر وسوچ سے بھرپور اِستفادہ کیا گیا، جس کی وجہ سے کتاب کی اِفادیت میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہوا۔ مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی صاحب ہر پندرہ بیس روز کے بعد اپنی علالت اور دیگر مصروفیات کے باوجود فون

کے ذریعہ کتاب کے بارے میں دریافت فرماتے اور دُعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔آپ کی حوصلہ افزائی راقم کے لئے تازہ خون کی حیثیت رکھتی تھی۔ بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں دُعاگو ہوں کہ وہ ان بزرگوں کو صحت وعافیت اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائیں اور ہمیں ہمیشہ ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔اِس کتاب کی پروف ریڈنگ میں حسبِ سابق جناب سید طاہرالحسن صاحب، مولانا عبدالکلام صاحب اور محمد مقصود حسین اُویسی کا تعاون شامل رہا۔علاوہ ازیں اَحادیثِ کریمہ کی تخریج محترم دوست علامہ محمد صابر نورانی ، ناظمِ تعلیمات جامعہ انوارالقرآن، گلشنِ اقبال کراچی کے تعاون سے مکمل ہوئی۔اِن کے علاوہ جن اَحباب نے بھی میرے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون کیا،میں اُن تمام اَحباب کا تہہ دل سے شکر گزار و ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تہہ دل سے دُعاگو ہوں کہ وہ انہیں دونوں جہاں کی سعادتیں نصیب فرمائے (امین)۔

میں اِس کتاب کی جملہ لغزشوں کو اپنی کوتاہی اور خصوصیات کو **فضلِ ربّی** پر محمول کرتا ہوں، اور آپ بارگاہِ ربِّ العزت میں دُعاگو ہوں کہ وہ میری اِس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر اِسے میری، میرے والدین مرحومین، اولاد، بھائی بہنوں، اساتذۂ کرام اور جملہ مسلمانوں کی نجات کا ذریعہ بنائے، (امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

باوجود انتہائی کوشش کے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس پر ضرور آگاہ کریں۔ ہر مثبت مشورے پر بصد شکریہ عمل کیا جائیگا۔(اِن شاءاللہ تعالیٰ)۔

اَلْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی

سید صابر حسین

اُستاذ الفقہ جامعہ انوارالقرآن، گلشنِ اقبال، کراچی

حدیث نمبر: 1

کسبِ حلال کی فضیلت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ حلال رزق کا طلب کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

تخریج: (شعب الایمان للبیہقی، باب الستون من شعبۃ الایمان، رقم الحدیث: 8482)

تشریح:

اِس حدیثِ شریف میں اہلِ ایمان کو یہ بتایا جارہا ہے کہ اُن پر صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے بلکہ رزقِ حلال کا حصول بھی فرض اور ضروری ہے۔ جس طرح نماز اور روزے کی ادائیگی عبادت ہے، اسی طرح رزقِ حلال کو حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز، روزے اور حج وغیرہ بلاواسطہ (direct) جبکہ رزقِ حلال کا حصول بالواسطہ (indirect) عبادت ہے۔ کسی شخص کا رزقِ حلال کی طلب میں مزدوری کرنا، دفتر میں ملازمت کرنا، کاشت کاری کرنا، تجارت کرنا اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر روزی کمانا یہ سب بھی دین ہی کا حصہ ہے۔ لہٰذا حلال وطیب روزی کمانے کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ جلَّ شانہ نے نہ صرف حلال کھانے بلکہ خیر کے کاموں میں حلال ہی خرچ کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اِس کی وضاحت قرآنِ مجید کی متعدّد آیاتِ

کریمہ سے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ** ترجمہ:''اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو، (سورۂ بقرہ، آیت نمبر 267)''۔یہاں حلال رزق خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے تو ایک دوسری آیتِ کریمہ میں حلال رزق کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّباً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ** ☆ ترجمہ:''اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ، جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، (سورۂ بقرہ، آیت نمبر: 168)''۔صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کن لوگوں پر اور کیا خرچ کریں تو اُنہیں جواب دیا گیا: **قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ** آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خیر یعنی حلال وطیب ہو۔اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اُن کے لئے پہلی شرط یہی ہے کہ وہ طیب یعنی رزقِ حلال سے حاصل کردہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ عزّ وجلّ نے اپنی راہ میں خبیث وحرام مال کو خرچ کرنے سے منع بھی فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُم بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ** ☆ ترجمہ: اور (اللہ کی راہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقبلِ استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو، جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کئے بغیر لینے والے نہیں اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے، (سورۂ بقرہ، آیت: 267)۔اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے فرائض وواجبات کی قبولیت میں رزقِ حلال کا بہت زیادہ عمل دخل ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ رزقِ حلال کے ساتھ کی گئی عبادتیں ہی اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہیں۔ جناب رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اِس اہم بات کی وضاحت اپنی ایک حدیث مبارک میں بھی فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس کا کھانا، پینا اور لباس حرام کا ہو اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا بھی قبول نہیں فرماتا، حالانکہ دُعا کو عبادات کا مغز قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر دُعا ہی قبول نہ ہو، تو دیگر عبادات کیسے قبول ہوں گی؟۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حلال کمائی کے مثبت اَثرات انسان کی زندگی پر پڑتے ہیں، اِسی طرح ناجائز و حرام کمائی کے منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

محنت و مشقت سے جی چرانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں، کیونکہ محنت و مشقت کر کے رزقِ حلال کمانا اِس قدر اہم فریضہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر نبی نے دین کی تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اِس فریضے کو بھی انجام دیا۔ سرورِ دو عالم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے بکریاں چرائیں، تجارت کی غرض سے دو مرتبہ ملک شام کا سفر کیا اور مقامِ جزف پر زراعت فرمائی۔ حضرت آدم اور حضرت یسع علیہما السّلام نے کھیتی باڑی کی، حضرت ادریس علیہ السّلام نے کتابت اور درزی کا پیشہ اختیار کیا، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السّلام تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے، حضرت داوٗد علیہ السّلام زرہ سازی اور لوہے کی صنعت سے وابستہ تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی اِس صفت کو اپنی حدیث مبارک میں بیان فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی داوٗد علیہ السّلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السّلام اور حضرت زکریا علیہ السلام نے نجاری (carpenter) کا کام کیا اور انہوں سے اِسی ہنر کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک بڑی کشتی تیار کی۔ حضرت ابرہیم علیہ السّلام نے کھیتی باڑی اور تعمیر کا کام کیا، اُن کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام تیر کے کاریگر تھے، حضرت یوسف علیہ السّلام نے غلّے کا کاروبار کیا، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور اُن کے تمام بیٹوں نے بکریاں چرائیں اور

اُن کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے، حضرت ایوب علیہ السّلام مویشی بانی اور کھیتی باڑی سے وابستہ تھے، حضرت ہارون علیہ السّلام نے تجارت کی، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام رنگسازی کے پیشے سے وابستہ تھے اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کھجور کے پتوں سے زنبیل (bag/purse) بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ الغرض جملہ انبیاءِ کرام نے کسی نہ کسی جز وقتی (part time) شعبے کو اختیار کیا اور ذریعۂ روزگار بنایا۔

اسی طرح جب ہم حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرِّضوان کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو اُنہیں بھی حصولِ رزقِ حلال میں مصروف پاتے ہیں۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کپڑے کی تجارت کرکے روزی کماتے تھے، کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت عبدالرّحمن بن عوف رضی اللہ عنہ گھی کی تجارت کرتے تھے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ گوشت فروش تھے، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے سی کر رزقِ حلال کماتے تھے۔

فقہاءِ کرام میں سے بھی اکثر تجارت کے ذریعے رزقِ حلال کماتے تھے، جیسے امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کپڑے کے تاجر تھے۔ لہٰذا رزقِ حلال کا حصول نہ صرف انبیاءِ کرام کی سنتِ مبارکہ ہے بلکہ صحابۂ کرام، اکابرینِ اُمت اور فقہاءِ کرام کا بھی طرزِ عمل ہے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اِس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جناب سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سب سے بہترین کھانا اُسے قرار دیا، جو انسان محنت سے کما کر کھاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص دن بھر محنت و مشقت کرکے حلال رزق کماتا ہے اور اُسی تھکاوٹ میں رات گزارتا ہے، تو اُس کی وہ رات مغفرت میں گزرتی ہے۔ مزید یہ کہ ایک مرتبہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اِس سے بڑھ کر کسبِ حلال کی کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔

....

اِس حدیث مبارک میں اُن لوگوں کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، جو محنت کرنے کی بجائے گداگری اختیار کرکے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور بوجھ بنتے ہیں۔ ایسا شخص جسے اللہ ربّ العزت نے عقل وشعور اور صحت کی نعمتِ عظیمہ سے سرفراز کیا ہو، اُس کے لئے عبادت وریاضت کے نام پر دنیا سے بے رغبت ہوکر کسبِ حلال سے بچنا جائز نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے کہ وہ عبادات وریاضت کے علاوہ رزقِ حلال کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کرے۔اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ صدقات وخیرات کے مل جانے کی اُمید پر محنت ومشقت سے کنارہ کش ہوجائے۔ایسے لوگوں کے لئے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی غنی (مالدار شخص) کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کے لئے جو توانا اور تندرست ہو، (سنن ابی داؤد، کتاب الزّکوہ)۔"

حدیث نمبر:2

حرام وحلال کی تمیز سے لاپرواہی کا زمانہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِرشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جس میں آدمی اِس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اُس نے جو مال حاصل کیا ہے، اُس کا ذریعہ حلال ہے یا حرام؟۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال، رقم الحدیث:2059)

تشریح:

اپنے معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث مبارک انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اس میں ایک ایسے زمانے کی پیشن گوئی کی جارہی ہے، جسے آج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس سے رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیثِ مبارکہ کی صداقت و حقانیت کا بھی پتا چلتا ہے کہ جن معاملات کے ہونے کی پیشن گوئی ان احادیثِ مبارکہ میں صدیوں پہلے کردی گئی، وہ معاملات صبحِ روشن کی طرح عیاں ہورہے ہیں۔

آج ہر کوئی زیادہ سے زیادہ کمانے کی ہوس میں مبتلا ہے، جو جتنی جلدی اور جس قدر زیادہ مال حاصل کرلے، وہ دنیا والوں کے نزدیک عقل منداور فہم وفراست والا ہے، اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں کہ جو مال وہ حاصل کررہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ اُسے تو صرف اپنی خواہش کی تکمیل کرنی ہے، اپنے مال میں اضافہ کرنا ہے اور اپنی جھوٹی اَنا (ego) کی تسکین کرنی ہے۔ قرآنِ مجید نے انسان کی مالِ کثیر جمع کرنے کی فطری کمزوری کو آخرت سے غفلت کا سبب قرار دیا ہے اور اس حقیقت کو سورۂ تکاثر کی ابتدائی آیاتِ کریمہ میں بیان فرمادیا کہ:

اَلْهٰـكُمُ التَّكَاثُرُ ☆ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ☆ تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کردیا حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے۔ (سورۂ تکاثر، آیت نمبر 1,2)۔ ذہن میں رہے کہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی، بلکہ حدیثِ مبارک میں ہے کہ ابنِ آدم کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اسے اگر ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ ایک اور وادی کی خواہش کرے گا لہٰذا اس سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے، جسے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارک میں بیان فرمایا ہے کہ اُن لوگوں کو دیکھو جو تم سے کم تر ہیں اور اُن لوگوں کو مت دیکھو، جو (مال ودولت) میں تم سے اعلیٰ ہیں، اس طرح

کرنے سے تم میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکرادا کرنے کا جذبہ بڑھے گا۔(بلوغ المرآم صفحہ نمبر 313)۔اور یہ حقیقت ہے کہ اِس سے بندہ اپنے ربّ کا شکرگزار بھی بنتا ہے اور اُسے اطمینان وسکون کی دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ مبارک ایسا تھا کہ اُس میں مسلمان انتہائی محتاط انداز میں مال لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی چیز کے بارے میں شک ہوجاتا کہ یہ اُن کے لئے حلال نہیں تو اُس سے بچتے اور حلال کے لئے تگ ودو کیا کرتے تھے۔ایسی کئی روایات ملتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مشکوک ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو تناول نہیں فرمایا۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمت کو بھی یہی تعلیم دی کہ نہ صرف حرام سے بچو بلکہ اُن اشیاء سے بھی بچو کہ جن کے بارے میں شک ہوجائے کہ وہ حلال ہے یا حرام؟۔ایک حدیث مبارک میں ہے کہ کوئی بندہ اُس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ ناپسندیدہ اور قبیح چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے،اسے چھوڑ کر ایسی چیز کو اختیار کرو، جو شک میں نہ ڈالے۔یہی وجہ ہے کہ، خلفاءِ راشدین ،صحابہ کرام علیہم الرِّضوان اور اُس زمانے کے مسلمان اِس فکروسوچ کے ساتھ زندگی گزارتے تھے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے، کس کام میں اُن کے لئے دنیاوی اور اُخروی فوائد ہیں اور کس میں نہیں؟۔لیکن وقت گزرتا گیا اور آہستہ آہستہ لوگوں میں حلال وحرام کی تمیز ختم ہوگئی اور اب حدیثِ مبارک میں بیان کی گئی پیشن گوئی کے مطابق معاملات نظر آرہے ہیں۔

اِسلام چونکہ دینِ فطرت ہے لہٰذا اِس کے دیئے ہوئے تمام اُصول اِنسان کی ضرورت اور فطرت کے عین مطابق ہیں اور اِسی میں انسانیت کی بقاوکامیابی کا راز مضمر ہے۔لہٰذا جب اُس نے کسی شے کو حلال قرار دیا تو اُس میں یقینی طور پر انسانوں کے لئے فوائد ہیں اور جن اشیاء کو حرام قرار دیا تو اُس میں یقیناً انسانوں کے لئے نقصان موجود ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے، اُن کی تعداد حلال کے مقابلے میں بہت کم ہے یعنی زیادہ تر اشیاء حلال ہیں، اِسی طرح اشیاء کو حرام قرار دے کر اُن کے بہتر متبادل دے دیئے۔ مثلاً سود کو حرام قرار دیا تو اِس کے بدلے میں تجارت، صنعت و حرفت، کاشتکاری اور شراکت ومضاربت کو جائز قرار دے دیا اور شراب کو حرام قرار دے کر انواع واقسام کے مشروبات کے پینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ لہٰذا جو انسان اِس فرق کو سمجھتے ہوئے مال و دولت حاصل کرتا رہتا ہے تو اِس سے نہ صرف دنیاوی اعتبار سے اُسے فائدہ پہنچتا ہے بلکہ اُخروی کامیابی اُس کے لئے مقدر کر دی جاتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ حرام مال سے بچنا اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ کون کون سی اشیاء حرام ہیں اور کن ذرائع سے روزی حاصل کرنا حلال ہے اور کن سے حرام؟۔ یہ ذمہ داری نہ صرف تاجر حضرات پر ہے بلکہ زراعت، صنعت وحرفت، وکالت اور محنت مزدوری کرنے والے تمام افراد پر بھی ہے۔ تاجر حضرات کی اولین ذمہ داری ہے کہ دورانِ تجارت جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، سود، رشوت اور دیگر غیر شرعی اُمور سے اجتناب کریں تاکہ اُن کے منافع میں حرام مال شامل نہ ہو۔ کسان، ماہرینِ صنعت اور وکلاء اور مزدوروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے کام کو بہتر انداز میں اَمانت وصداقت کے معیار کے مطابق انجام دیں۔ حرام سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں کیونکہ حرام کی نحوست اِس قدر تباہ کن اور اثر انگیز ہے کہ اس سے حلال مال بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے یعنی اُس حلال مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تو دنیاوی نقصان ہے، آخرت کے نقصان کی بابت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھے، وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔ اِسی طرح جو لوگ حرام سے بچتے ہیں، تو اُن کے لئے حدیثِ مبارک میں خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے عبادت

گزار بندوں میں شمار فرمالے گا۔جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی شخص اپنی روزی حاصل کیے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ روزی کے حاصل کرنے میں کچھ تاخیر ہو جائے لہٰذا حرام اشیاء سے بچو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے عبادت گزار شمار ہو گے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رزق کا جو حصہ مقرر فرمایا دیا ہے اِس پر خوش رہو، تو لوگوں میں غنی بن جاؤ گے، (ترمذی شریف، کتاب الزھد)۔''

حلال کے حصول اور حرام سے بچنے کی دُعا

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ

ترجمہ:''اے اللہ! مجھے حلال ذرائع سے اتنا وافر (رزق) عطا فرما کہ حرام کی حاجت نہ رہے اور اپنے فضل وکرم سے اتنا عطا فرما کہ تیرے غیر سے بے نیاز ہو جاؤں، (امین)''۔

حدیث نمبر:3

سچے اور امانت دار تاجر کا مقام ومرتبہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچائی اور امانت داری کے ساتھ معاملہ کرنے والا تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجار تسمیۃ التی ایاھم، رقم الحدیث:1252)
(سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی الکسب، رقم الحدیث:2222)

تشریح:

منافع حاصل کرنے کی نیت سے مال کی خرید و فروخت کرنا تجارت ہے۔ فقہاءِ کرام نے مال کمانے کے ذرائع میں سب سے بہترین ذریعہ تجارت کو قرار دیا ہے۔ ایک حدیث مبارک کی رُو سے رزق کے بیس دروازوں میں سے انیس دروازے تجارت کے لئے ہیں۔ یعنی 95% فیصد رزق اور برکت تجارت میں ہے (کنز العمال، جلد 4، صفحہ نمبر 33)۔ لیکن شریعت مطہرہ نے تجارت کرنے کے لئے کچھ شرائط عائد کی ہیں۔ جن میں امانت و صداقت انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ تجارت میں زیادہ تر خرابیاں اور بے راہ روی اَمانت وصداقت کے چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

درجِ بالا حدیث شریف میں سچے اور امانت دار تاجر کی فضیلت بیان کی جارہی ہے کہ اُس کا معاملہ انبیاءِ کرام، صدیقین اور شہداءِ کرام کے ساتھ ہوگا۔ اِس سے یہ معلوم ہوا کہ تجارت جو بظاہر ایک دنیاوی عمل لگتا ہے اگر اِسے سچائی اور امانت کے معیار کے عین مطابق کیا جائے تو یہی تجارت اُخروی عمل بن جاتی ہے اور ایسے تاجر کو اتنا بڑا رتبہ ملے گا، جس کی تمنا ہر مسلمان کرتا ہے۔ اِس کی تائید رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ کتنے ہی عمل ایسے ہیں، جو بظاہر دنیا کے اعمال لگتے ہیں لیکن حسنِ نیت کی وجہ سے وہ آخرت کے اعمال بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کتنے ہی اعمال ایسے ہیں، جو ظاہری شکل وصورت میں اُخروی اعمال گردانے جاتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے وہ دنیا کے اعمال بن جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر تاجر اِس نیت کے ساتھ تجارت کرتا ہے کہ وہ رزقِ حلال کمائے گا اور اِس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت بھی کرے گا تو یقیناً یہ دینی عمل بن جائے گا اور تاجر اِس اچھی نیت کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

جھوٹ اور بے ایمانی کی اجازت تو کسی بھی معاملے میں نہیں ہے بلکہ اِن کی مذمت کرتے ہوئے ، اِنہیں منافقت کی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔اِس حدیث مبارک میں خاص طور پر تاجروں کو سچائی اور امانت کی تعلیم دی جارہی ہے ۔لیکن اگر تاجر تجارتی معاملات میں بے ایمانی اور جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو ایسے تاجر کے بارے اللہ کے رسول صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ایک مرتبہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے تاجروں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تاجر قیامت کے دن فاسق وفاجر کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے مگر جو نیک ہیں اور پرہیزگاری وسچائی کے ساتھ تجارت کرتے ہیں ،اُن کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا۔حدیثِ مبارک میں ہے کہ سچا تاجر سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور عرش کے سائے میں ہوگا۔

اِس حدیث مبارک میں حضور صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا تاجروں کو مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر قرار دینا تعجب کی بات نہیں کیونکہ معمولی تامل سے بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جہاد صرف میدانِ جنگ میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بازارِ تجارت میں حرام سے بچتے ہوئے حلال کے انتخاب میں بھی ہوتا ہے۔

تاجروں کو اتنی عظمت عطا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عام حالات میں ایک شخص کے لئے سچ بولنا اور ایمانداری کو اختیار کرنا آسان ہوتا ہے لیکن تجارت کی وجہ سے عام طور پر انسان میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے اور مال سے مزید مال پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔لہٰذا ایسے حالات میں سچائی اور ایمانداری کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا بہت مشکل امر ہے اور ایسا کرنے والا دراصل خواہشات کے خلاف جنگ جیت کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں عالمی تجارت ایک چیلنج بن کر سامنے آئی ہے اور عالمی اِستعمار

اسے اپنے غلبے کے لئے استعمال کررہا ہے، کیونکہ پوری دنیا میں اقتصادی ومعاشی جنگ لڑی جارہی ہے اور معاشی نظام کو اپنے قبضے میں لے کر دوسری اقوام کو اپنا غلام بنایا جارہا ہے۔ جو ممالک معاشی اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہیں، وہ غریب اور پسماندہ ممالک کو اپنے زیرِ اثر رکھتے ہیں، اُن کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں اور من پسند حکمران اور قوانین کو مسلط کردیتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ملکِ عزیز پاکستان کی ہے کہ معاشی کمزوری کی وجہ سے یہ مختلف بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور مغربی ممالک سے بھاری شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہے، اس کے باعث یہ ممالک نہ صرف پاکستان کی خارجہ پالیسی بلکہ ملکی پالیسی بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور پالیسی سازی میں وہ پاکستان کی بجائے اپنے ملک وقوم کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا اس سے پاکستان کے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ملتا بلکہ وہ مزید غریب و بدحال ہورہے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی مسلمان تجارت کے ذریعے مسلمانوں کو مضبوط کرتا ہے اور یہود ونصاریٰ کے دست بُرد سے آزاد کراتا ہے، تو وہ بھی مجاہد ہی کا درجہ پائے گا، (سرمایہ کاری کے شرعی احکام)۔

حدیث نمبر:4

تجارت میں کثرت سے قسم اُٹھانے کے نقصانات

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ :اِیَّاکُمْ وَ کَثْرَۃَ الْحَلِفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّہٗ یُنَفِّقُ ثُمَّ یَمْحَقُ

ترجمہ:

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے مال کو فروخت کرتے وقت زیادہ قسمیں کھانے سے اِجتناب کرو، کیونکہ یہ (وقتی طور پر) تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن اِس سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب النھی عن الحلف فی البیع، رقم الحدیث:4209)
(سنن نسائی، کتاب البیوع، باب المنفق سلعتہ بالحلف الکاذب، رقم الحدیث:4477)

تشریح:

شریعت نے اِنتہائی ضرورت کے وقت مسلمانوں کو ماضی یا حال میں واقع ہونے والے کسی کام یا بات میں خود کو سچا ثابت کرنے کے لئے یا مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خود کو پابند کرنے کی غرض سے قسم اُٹھانے کی اجازت دی ہے۔فقہاءِ کرام نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں، غموس، لغو اور منعقدہ۔اگر کوئی شخص قصداً جھوٹ پر قسم اُٹھائے تو یہ غموس ہے، قسم ''لغو'' یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم اُٹھائے اور در حقیقت وہ جھوٹ ہو۔بعض فقہاءِ کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ گفتگو کے دوران تکیہ کلام کے طور پر جو قسم کھالی جاتی ہے، وہ لغو ہے۔

ماضی یا حال کے بارے میں قسم کھائی جائے تو ضروری ہے کہ وہ سچ پر مبنی ہو وگرنہ قسم کھانے والا گنہگار ہوگا اُس پر توبہ لازم ہے، اِسی طرح اگر قسم مستقبل میں کسی عمل کو کرنے یا نہ کرنے کی ہو، تو پھر یہ لازم ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے اگر کسی نے اپنی قسم توڑ دی تو اُس پر قسم کا کفارہ لازم آئیگا۔

لہٰذا قسم کی اِجازت صرف ضرورت اور سچائی کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے۔لیکن ہمارے معاشرے میں قسم کو ہر جائز و ناجائز معاملے میں بطور ایک آلہ اور ڈھال استعمال کیا جارہا ہے، جو اِس کی حرمت و مرتبے کے خلاف ہے۔اگر چہ اِس بری عادت میں اکثر لوگ مبتلا ہیں لیکن تاجر حضرات میں یہ خصلت زیادہ پائی جاتی ہے کہ اپنا مال فروخت کرنے کے لئے بعض اوقات سچی اور کبھی جھوٹی قسم بھی اُٹھالیتے ہیں۔لہذا اِس حدیث مبارک میں رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلّم تاجروں کو کثرت سے قسم اُٹھانے سے منع فرمارہے ہیں اور اِس

بات سے بھی آگاہ فرمارہے ہیں کہ قسم کی وجہ سے اگرچہ تاجر کا مال تو فروخت ہوجاتا ہے اور تاجر نفع تو کمالیتا ہے لیکن حقیقت میں کاروبار سے برکت ختم ہوجاتی ہے اور اس کی نحوست مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ یہ نقصان سچی مگر کثرت سے قسم کھانے والے کا ہے، جہاں تک تعلق جھوٹی قسم کے ذریعے مال فروخت کرنے والے کا ہے ،اُس کے بارے میں تو بہت ہی سخت وعید آئی ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ قیامت کے دن تین لوگ ایسے ہوں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا اور نہ ہی اُن کو معصیت و گناہ کے میل سے صاف کرے گا، اُن تین میں سے ایک شخص وہ ہوگا ، جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مال کو فروخت کرنے والا ہو۔

ایک اور مقام پر سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم کھا کر چھین لیا، اس کے لیے اللہ نے جہنم کی آگ واجب کردی ہے اور اس پر جنت حرام کردی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم !اگر چہ وہ شے معمولی ہی کیوں نہ ہو؟ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ''اگر چہ وہ پیلو کے درخت کی شاخ (ٹہنی) ہی کیوں نہ ہو، (صحیح مسلم)۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس نے جان بوجھ کر ایسی جھوٹی قسم کھائی ،جس کے نتیجے میں اُس نے کسی مسلمان کا مال (ناحق) کھایا وہ اللہ (تعالیٰ) کو (قیامت کے دن) اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا، (بخاری و مسلم)۔

زیرِ مطالعہ حدیثِ مبارک سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ دین کی نظر میں برکت والی کثرت کی اہمیت ہے کیونکہ برکت کے بغیر کثرت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمت کو برکت کی دُعا کرنے کی تلقین فرمائی

ہے۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ہر وضو کے بعد یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ ترجمہ:اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرمادے اور میرے گھر میں وسعت فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما،(سنن ترمذی)۔

برکت کا مفہوم یہ ہے کہ شئے خواہ مقدار میں کم ہو،لیکن اُس میں اِفادہ (utility) اِس قدر زیادہ ہو کہ وہ کم ہونے کے باوجود ضرورت پوری کردے اور یہی اصل ہے۔تاجروں کو اسی کی کوشش کرنی چاہئے۔آج لوگ برکت سے زیادہ کثرت کو اہمیت دیتے ہیں،لہٰذا اپنی تجارت کو فروغ دینے اور مال کو فروخت کرنے کے لئے قسم کا سہارا لیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ اِن کا یہ عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے احکام کے برخلاف ہے۔وہ اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کریں۔اِسی میں اُن کا فائدہ ہے۔تجارت میں قسم کھانے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اِس سے آدمی نہ صرف دوسروں کے سامنے بے اعتبار ہو جاتا ہے بلکہ اُس کے دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے اور وہ بے خوف ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر:5

خرید وفروخت میں نرمی کا حکم

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالیٰ عَنْھما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلاً سَمْحاً اِذَا بَاعَ وَاِذَا شْتَرَیٰ وَاِذَاقْتَضیٰ

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے،جو خرید وفروخت اور قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی اور خوش اَخلاقی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب السھولۃ والسماحۃ فی الشراء والبیع، رقم الحدیث: 2077)

(سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب السماحۃ فی البیع، رقم الحدیث: 2287)

تشریح:

خوش اَخلاقی اور نرمی دو ایسی صفات ہیں، جن کا کوئی متبادل نہیں اور یہی وہ صفات ہیں، جو کسی میں پیدا ہو جائیں تو وہ انسان نہ صرف ہر دلعزیز اور مقبول ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اُس پر اُترنا شروع ہو جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جتنا وہ عطا کرتا ہے، سختی پر اُتنا عطا نہیں کرتا، (مسلم شریف)۔

زیرِ بحث حدیث مبارک میں خاص طور پر تجارت اور لین دین میں نرمی اور خوش اَخلاقی کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ ایک شخص کو تجارتی معاملات میں نرمی کی وجہ سے بخش دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خرید و فروخت اور قرض کے معاملے میں نرمی کی کیا صورت ہے۔

فروخت کرتے وقت نرمی کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ منافع کمانے کی غرض سے گاہک کو اتنی زیادہ قیمت نہ بتائے کہ اُس کے لئے لینا دشوار ہو جائے اور اگر گاہک سودے کی قیمت کم کرائے تو جس حد تک ممکن ہو، اُسے رعایت دے۔ اسی طرح اگر کوئی مجبور و محتاج شخص جس کے پاس فوری قیمت دینے کی استطاعت نہ ہو، تو اُسے بلا سود اُدھار پر چیز فروخت کرنا بھی اِس نرمی میں شامل ہے۔ اِس نرمی کے کئی فوائد ہیں کہ اس سے اُس کے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور بازار میں اُس کی نیک نامی بڑھے گی اور سب سے بڑھ کر وہ فائدہ ہے، جس کا ذکر احادیثِ مبارکہ میں کر دیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ملکِ شام تشریف لے گئے تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

کے غلام میسرہ بھی تھے، جنھوں نے مال فروخت کرتے وقت رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے اَخلاق و عادات کا مشاہدہ فرمایا اور واپسی پر اِس کا تذکرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کیا تو وہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے حسنِ اَخلاق سے اِس قدر متاثر ہوئیں کہ اُنہوں نے آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔

آج جب دکانداروں اور کاروباری حضرات کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوائے چند کے اکثر اپنے گاہکوں اور خریداروں کے ساتھ نرمی کی بجائے سختی اور تُرش روئی سے پیش آتے ہیں۔ اگر کوئی قیمت میں کمی کرانے کی کوشش کرے تو اُس سے ناراضی کے اظہار کے ساتھ ٹکا سا جواب دیدیتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف شرعی بلکہ کاروباری اَخلاقیات کے اعتبار سے بھی ناپسندیدہ ہے۔ اِس سے گاہک کا نقصان کم اور تاجر کا زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اِس غیر اَخلاقی رویئے کی وجہ سے وہ گاہک آئندہ اُس کے پاس نہیں آئے گا ، جو کاروبار کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

خریدتے وقت نرمی کا مفہوم یہ ہے کہ قیمت کم کرانے کے لئے تاجر پر بے جا دباؤ نہ ڈالے، ایک دو دفعہ میں وہ مان جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ کسی اور دکان سے جا کر خرید لے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ خریدار بعض اوقات قیمت کم کرانے کے لئے اِس قدر ضد کرنے لگتا ہے کہ تاجر نہ چاہتے ہوئے بھی کم قیمت پر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُسے نقصان بھی ہو جاتا ہے اور کئی دفعہ تو معاملہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ عمل اِسلام میں ناپسندیدہ ہے کہ کسی کو اَخلاقی دباؤ میں لاکر نقصان پہنچایا جائے۔ حدیثِ مبارک میں ہے کہ کسی مسلمان کا مال اُس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اپنی رضامندی کے ساتھ کسی کو نہ دیدے۔ اور ظاہر بات ہے کہ زبردستی کم قیمت پر کوئی چیز لینے میں فروخت کنندہ کی دلی رضامندی نہیں ہوتی۔

حدیث مبارک میں تیسری بات جو بتائی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر بھی رحم فرماتا ہے، جو قرض کی وصولی میں نرمی کا برتاؤ کرے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کا دینا ہی ایک مستحسن ومقبول عمل ہے، جس پر بے حدوحساب اجروثواب کی نوید سنائی گئی ہے۔ لیکن قرض دینے کے بعد اپنے مقروض کو مزید مہلت دینا یا اُسے معاف کر دینا اور بھی زیادہ نیکی کا عمل ہے۔ اِس حوالے سے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ☆ ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اُسے اُس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، (سورۂ بقرہ، آیت نمبر: 280)۔ اِس آیتِ کریمہ میں مقروض کو مہلت دینے یا اُسے معاف کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ مفسرِ قرآن اور شارح صحیح بخاری ومسلم علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ”مقروض کو ادائیگی میں مہلت دینا واجب ہے اور اِس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور اس معاملے میں مستحب کا اجر واجب سے زیادہ ہے، کیونکہ حدیث میں مقروض کو مہلت دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس شخص کا کسی آدمی پر کوئی حق ہو اور اس کو مؤخر کر دے تو اس کو ہر روز صدقہ کا اجر ملے گا، نیز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی مصیبت دور کی جائے تو وہ تنگ دست کے لئے کشادگی کرے، (انوارتبیان القرآن، صفحہ نمبر 74)“۔

حدیث مبارک میں ہے کہ پرانے وقتوں میں ایک شخص کی بخشش اِس لئے ہوگئی کہ وہ اپنے قرض کی وصولی کے وقت قرض داروں سے حسنِ سلوک کرتا تھا۔ وہ کسی کو ادائیگی میں مزید مہلت دیتا اور کسی کو معاف کر دیا کرتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ استطاعت کے

باوجود نہ دیتے تو اُس سے چشم پوشی کیا کرتا تھا۔ حدیث مبارک میں حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ والہ وسلَّم نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن غم اور گھٹن سے بچائے تو اسے چاہئے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے اوپر سے اتار دے، (صحیح مسلم، کتاب الذِّکر)۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جس طرح قرض کی وصولی میں نرمی اور حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اِسی طرح قرض کی ادائیگی میں بھی یہی حکم ہے کہ قرض وقت پر ادا کر دیا جائے اور اگر بہتر چیز واپس کی جائے، لیکن بہتر چیز دینے کی صورت میں یہ اِحتیاط ضروری ہے کہ قرض لیتے وقت ایسا کوئی معاہدہ نہ ہو کیونکہ اِس صورت میں یہ سود شمار ہوگا جو کہ حرام ہے۔

حدیث نمبر:6

ناپ تول میں کمی پر وعید

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ِصَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ ،هَلَكَتْ فِيْهِ الْاُمَمُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم نے ناپنے تولنے والے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بے شک دو ایسی چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے گذشتہ اُمتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی المکیال والمیزان، رقم الحدیث: 1261)

تشریح:

خرید و فروخت میں عدل و انصاف کو قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے اور اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آلہ پیدا کیا، جسے ترازو کہتے ہیں۔ اس آلے کی ایجاد کا مقصد لین دین میں درست ناپ تول کرنا اور حق تلفی سے بچنا ہے۔ قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا** ☆ ترجمہ: اور جب تم ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو، تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے، (سورہ بنی اسرائیل، آیت: 35)۔ سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ** ☆ ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو، (سورہ رحمٰن، آیت نمبر 9)۔

سورۂ مطففین کی ابتدائی آیاتِ کریمہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ☆ **الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ** ☆ **وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ** ☆ **اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ** ☆ **لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ** ☆ **يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ☆ ترجمہ: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید عذاب ہے، ان لوگوں کے لئے کہ جب وہ دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں، کیا اِن لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اُٹھایا جائے گا؟ ایک بڑے دن کے موقع پر جب سب لوگ ربِّ کائنات کی بارگاہ میں (جواب دہی کے لئے) کھڑے ہوں گے، (سورۂ مطففین، آیت: 1 تا 6)۔

درجِ بالا آیاتِ کریمہ کو پڑھ کر ہر ذی شعور بخوبی جان سکتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا انجام کیا ہے۔ علاوہ اَزیں ایسے لوگوں کی نفسیات اور سوچ کو بھی بے نقاب کر دیا گیا، جو لین دین کے موقع پر خود تو پورا پورا لیتے ہیں لیکن جب دوسرے فریق کو دینے کا وقت آتا ہے، تو پھر کم دیتے ہیں۔ اِنہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایک دن اُنہیں اپنے ربّ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، پھر وہاں ہر ایک کو اُس کے اعمال کا بدلہ مل جائیگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سباغ بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینے کا عامل مقرر کیا تو وہ خیبر کی طرف گئے اور انہوں نے سورۂ مطففین کی آیات کی تلاوت کی۔ اُن کی تلاوت کے بعد میں (ابو ہریرہ) نے کہا کہ فلاں شخص ہلاک ہوگیا، اُس کے پاس دو صاع (وزن کا پیمانہ) ہیں، ایک سے وہ ناپ کر دیتا ہے اور دوسرے سے ناپ کر لیتا ہے۔

ناپ تول کی اِسی اہمیت کے پیشِ نظر زیرِ نظر حدیث مبارک میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خصوصی طور پر ناپ تول کرنے والوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہیں دو ایسی ذمہ داری دی گئی ہیں، جنہیں پوری نہ کرنے کے جرم میں سابقہ امتوں میں سے کئی تباہ و برباد ہوگئیں۔ قرآنِ مجید میں حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم میں پائی جانے والی برائیوں کا تذکرہ متعدد سورتوں میں موجود ہے۔ اُن کی جملہ برائیوں میں ایک بُرائی ناپ تول میں کمی کرنا بھی تھی۔ آپ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُنہیں پہلے ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دی، بعد ازاں اُنہیں دلائل کے ساتھ ناپ تول میں کمی کرنے سے روکا۔ لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب اُن پر سخت گرمی کی صورت میں نازل ہوا۔ گرمی سے پریشان ہو کر جب وہ اپنے گھروں کو گئے تو وہاں بھی سخت گرمی تھی لٰہذا وہ لوگ جنگل کی طرف نکل گئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا، جس کے نیچے اُنہیں ٹھنڈک اور

آرام ملا تو اُنہوں اپنے باقی ماندہ لوگوں کو بھی وہاں بلا لیا اور سب بادل کے نیچے جمع ہو گئے، اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی، جس نے اُن سب کو جلا دیا اور سب ناپ تول میں کمی کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچے۔

رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ان پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں، جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اللہ اِس پر اُس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، جو قوم اَحکامِ الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تنگ دست کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، اُس میں طاعون پھیل جاتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، وہاں زرعی پیداوار میں برکت نہیں رہتی اور قحط سالی پھیل جاتی ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔ اِس حدیث مبارک میں کتنے واضح انداز میں قحط سالی اور زرعی پیداوار میں کمی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں لین دین میں جہاں دوسری بہت ساری خرابیاں موجود ہیں، اُن میں ناپ تول میں کمی بھی عام ہے۔ ناپ تول میں کمی کے کئی طریقے اُنہوں رائج کر لئے ہیں، الیکٹرونک کانٹوں میں بظاہر وزن درست دکھایا جاتا ہے حقیقت میں کم ہوتا ہے۔ 1000 گرام کے بٹے کا اصل وزن کم ہوتا ہے، مائع اشیاء مثلاً دودھ بیچنے والے ماپنے کا برتن اصل وزن سے چھوٹا رکھتے ہیں۔ سودے والے پلڑے کے نیچے پتھر یا وزنی چیز رکھ دیتے ہیں تا کہ بظاہر وزن پورا ہو جائے اور گاہک کو خوش کرنے کے لئے الگ سے کچھ دیدیتے ہیں، اس طرح گاہک سے دھوکہ کرتے ہیں۔ آج کے کئی تاجر حضرات بلا خوف ان سارے قبیح اعمال میں مبتلا ہیں۔ زر کی ہوس میں مبتلا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اُنہیں تو صرف بے ایمانی کر کے اپنی دولت میں اضافے کی ہوس ہے۔

رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلّم ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرماتے اور اس

حوالے سے صحابۂ کرام علیہم الرِّضوان کی باقاعدہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص سے جو اُجرت پر وزن کیا کرتا تھا، فرمایا کہ وزن کرو تو جھکتا ہوا دو، (سنن ابوداؤد)۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ان ہی تعلیمات اور تربیت کا اثر تھا کہ مدینۂ منورہ میں کوئی تاجر ناپ تول میں کمی نہیں کرتا تھا اور ان کا یہ عمل آج بھی قائم ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو اُس ترازو کو بھی یاد رکھنا چاہئے، جس میں اُن کے اعمال تولے جائیں گے اور اُسی ترازو کی بنیاد پر کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حقیقت میں ایسے تاجروں کو دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے، کیونکہ جب لوگوں کو اُن کی بددیانتی کا پتا چلتا ہے تو پھر لوگوں کا اعتماد اُن سے اُٹھ جاتا ہے، لوگ اُن کے ساتھ خرید و فروخت چھوڑ دیتے ہیں اور بالآخر اس برے عمل کی وجہ سے پورا کاروبار ٹھپ ہوجاتا ہے اور پھر غربت ومحتاجی اُس کا مقدّر بن جاتی ہے۔ اِس کے برعکس جو تاجر دین کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ترازو جھکا کر ناپ تول کرتے ہیں، اُن پر لوگ اعتماد کرنے لگتے ہیں اور زیادہ تر معاملات اُن کے ساتھ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف اُن کا کاروبار بڑھتا ہے بلکہ آخرت میں فوز وفلاح بھی انہیں حاصل ہوگی۔

حدیث نمبر:7

ذخیرہ اندوزی(hoarding) کی مذمّت

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ

ترجمہ:

حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اشیائے ضرورت کو بازار میں لانے سے نہیں روکتا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُسے رزق دے گا اور وہ شخص جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ لعنت کا مستحق ہے۔

تخریج: (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الحکرۃ والجلب، رقم الحدیث: 2236)

تشریح:

کاروباری نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو تاجروں کے لئے منافع کمانے کے دو راستے ہیں، ایک یہ کہ وہ اشیائے صرف مارکیٹ میں لاکر کچھ منافع پر فوراً فروخت کردے اور پھر دوسرا مال لائے۔ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ تاجر زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے اشیائے صرف کا پہلے غیر معمولی ذخیرہ کرلے اور پھر جب اُن کی ضرورت انتہاء کو پہنچ جائے تو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گراں قیمت پر اُن کو فروخت کرے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اِس حدیث مبارک میں ان دونوں تاجروں کا تذکرہ فرما کر اِن میں سے ایک کو خوشخبری سنائی ہے جبکہ دوسرے کے لئے وعید فرمائی ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مال روک کر لوگوں کا استحصال نہ کرنے والے تاجر کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اِس احسن عمل کی وجہ سے اُس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا، کم منافع میں بھی اُس کے لئے زیادہ فوائد ہونگے۔ لوگوں کا اُس پر اعتماد بڑھے گا لہٰذا اُس کے گاہکوں میں اضافہ ہوگا، جس کی وجہ سے منافع میں بھی اضافہ ہوگا۔

اِس کے برعکس زیادہ منافع کمانے کی غرض سے اشیائے صرف کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا دنیاوی اور اُخروی دونوں اعتبار سے نقصان اُٹھاتا ہے۔ اُخروی نقصان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے، جبکہ دنیاوی

اعتبار سے اُس کا نقصان یہ ہے کہ وہ لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھتا ہے، معاشرے میں اُس کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ بالآخر کاروبار کے تباہ و برباد ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی کیا ہے؟ اِس کے بارے میں فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اشیاءِ ضرورت کو بازار میں لانے سے روک لینا اور قیمتوں کے غیر فطری طریقے سے بڑھنے کا انتظار کرنا اور جب قیمتیں بڑھ جائیں تو پھر مہنگی قیمت پر فروخت کرنا ذخیرہ اندوزی ہے۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا تاجر دراصل ہوس، سنگدلی، بے رحمی اور ظلم و بربریت کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے، اُسے اپنے سوا کسی کی فکر نہیں ہوتی بس اپنے مرض کی تسکین کی خاطر وہ مجبور لوگوں کا معاشی استحصال کرتا ہے اور اُنہیں بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اِسلام چونکہ تاجروں کو بنی نوع انسان کے ساتھ نرمی اور رحمت و شفقت کا معاملہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے لہٰذا اس نے ذخیرہ اندوزی سے منع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے زیرِ مطالعہ حدیث مبارک کے علاوہ دیگر احادیث مبارکہ میں بھی اِس کی شدید مذمّت ارشاد فرمائی۔ حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے یہاں تک فرمادیا کہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، وہ گناہ گار ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ذخیرہ اندوزوں کی ذہنیت اور سوچ کو رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اِس طرح بیان فرمایا کہ کتنا بُرا ہے اشیائے صرف کو روک لینے والا، اگر اللہ تعالیٰ چیزوں کے نرخ کو سستا کرتا ہے، تو اُسے غم ہوتا ہے اور جب قیمتیں بڑھتی ہیں، تو خوش ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص چالیس روز تک اجناس اور اشیائے خورد و نوش کو مہنگا ہو جانے کے ارادے سے روکے رکھے گا بے شک وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار ہے اور اللہ تعالیٰ اُس سے بیزار ہے، (مسندِ امام احمد بن حنبل)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ اِن احادیثِ مبارکہ کے تناظر میں آج کے تاجروں کے طرزِ عمل کو دیکھا جائے تو ذخیرہ اندوزوں کی یہ ذہنیت اور سوچ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ آج کے تاجر زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے ناپاک جذبے کے تحت نہ صرف اُن اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، جن کی پیداوار کم ہے بلکہ وہ اشیاء جو وافر مقدار میں پیدا ہو رہی ہیں، اُن کی مصنوعی قلت کر کے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور پھر بعد میں مہنگائی کی چکی میں پسے ہوئے عوام کو مزید پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اِس کی کئی مثالیں ہمیں حال کے واقعات میں ملتی ہیں کہ پاکستان جو کہ ایک زرعی ملک ہے، جہاں وافر مقدار میں گندم، گنے اور چاول کی پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن گزشتہ کئی سالوں سے گندم اور چینی کی مصنوعی قلت ظاہر کر کے ذخیرہ اندوزی کی گئی۔ اِسی طرح رمضان شریف کے بابرکت مہینے کے شروع ہونے سے پہلے ہی اشیائے صرف کو روک لیا جاتا ہے اور پھر رمضان میں زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ پیٹرول کی قیمت بڑھنے سے ایک دن پہلے ہی اُس کی فروخت روک لی جاتی ہے تاکہ قیمت بڑھنے کا فائدہ اُٹھایا جائے۔ ہر سال بجٹ کے آنے سے پہلے بھی کئی اشیائے ضرورت کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت میں شامل اکثر لوگ بڑی بڑی ملوں اور کارخانوں کے مالکان ہیں اور انہیں کسی نہ کسی طرح پتا چل جاتا ہے کہ اِس سال کن اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائینگی لہٰذا وہ اُن ہی اشیاء کا ذخیرہ کر کے خوب نفع کماتے ہیں۔ الغرض آج کے تاجروں میں ذخیرہ اندوزی ایک عام سی بات ہو گئی ہے۔ خاص طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسے تاجر جن کو کاروبار میں اجارہ داری حاصل ہوتی ہے ، وہ زیادہ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی کے فروغ میں مروّجہ بینکاری نظام بھی بہت بڑا کردار ادا کر رہا ہے اور وہ اِس طرح کہ تاجر حضرات اپنے کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر بینکوں سے بھاری

شرح پر رقم حاصل کر لیتے ہیں اور زرِ ضمانت کے طور پر اپنا مال اُن کی تحویل میں رکھ دیتے ہیں۔ اِس طرح بینک کو سود کی صورت میں جبکہ تاجروں کو قرض کے ملنے اور تحویل شدہ مال کی قیمت میں اضافے کی صورت میں دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔ اور نقصان صرف اور صرف غریب صارفین کا ہوتا ہے۔ ایسے تاجروں کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی اِن احادیثِ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھیں اور اپنے اِس قبیح فعل سے آئندہ کے لئے توبہ کریں ورنہ اُن کے مال ودولت سے برکت ختم کر دی جائیگی اور آخرت کی پکڑ اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

حدیث نمبر:8

بازار کی آزادی میں مداخلت کی ممانعت

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ یَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ و۔ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دیتا ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم البیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث:3902)
(سنن نسائی، کتاب البیوع، باب البیع الحاضر للبادی، رقم الحدیث:4512)

تشریح:

اِس حدیث مبارک میں تجارت میں ناجائز منافع کمانے، مہنگائی اور گراں فروشی کے سدِّ باب کے لئے ایک اہم اُصول بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے شہری لوگ دیہاتیوں کے

مال کو فروخت نہ کریں بلکہ اُنہیں خود بازار میں جاکر بھاؤ تاؤ(bargaining) کر کے بیچنے کا موقع دیا جائے اور لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے ، وہ خود ہی طلب و رسد(demand and supply) کو نظر میں رکھتے ہوئے اشیاء کی قیمتوں کا تعین کریں گے۔دراصل اسلام تجارتی معاملے میں کسی تیسرے شخص کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمل سے چیزوں کی حقیقی قیمت کا تعین مشکل ہوجاتا ہے اور واسطہ بننے والا شخص(middle man) اپنے فائدے کے لئے کبھی فروخت کنندہ اور کبھی خریدار کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔رسولِ پاک صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے زمانۂ مبارک میں دو ایسے طریقے رائج تھے،جن میں نہ صرف غریب کاشتکار کا استحصال کیا جاتا تھا بلکہ عام لوگوں کو ستی اشیاء،زیادہ قیمت پر ملتی تھیں۔اُن میں سے ایک ”تلقی الجلب (purchase of imported commodities before it reaches market)“ کہلاتا تھا۔اس میں ہوتا یہ تھا کہ جب کاشتکار اپنی زمین کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے شہر کا رُخ کرتے تھے تو بعض شہری تاجر شہر سے باہر ہی اُنہیں روک لیا کرتے تھے اور انتہائی چالاکی کے ساتھ اُس سے کہتے کہ آپ کو شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے، یہ مال ہم پر فروخت کردیں،ہم انہیں آگے لوگوں کو بیچ دیں گے۔اِس طرح دیہاتی کاشتکار اُن کی باتوں میں آکر مال بیچ دیا کرتے تھے اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہر میں اُن کے مال کی کیا مانگ ہے؟اور شہر میں اِس کی فروخت کس نرخ پر ہورہی ہے وغیرہ۔اِس طرح شہری تاجر دو اعتبار سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے،ایک کاشتکار کے سادہ پن اور لاعلمی کا فائدہ اور دوسرا عام صارفین کو من مانی قیمت پر فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ منافع خوری کا فائدہ۔لیکن اگر دیہاتی خود شہر میں آکر مال فروخت کرتا تو حالات وواقعات کو دیکھ کر مناسب منافع کماتا اور چونکہ اُسے اپنے گھر جانے کی جلدی بھی ہوتی ہے لہٰذا ذخیرہ اندوزی کا

خدشہ ختم ہو جانے کی وجہ سے عام صارفین کو مناسب قیمت پر مطلوبہ شے مل جاتی۔

دوسرے طریقے میں کوئی شہری تاجر دیہاتی سے اُس کا مال یہ کہہ کر لے لیتا کہ مناسب وقت پر زیادہ منافع پر آپ کا یہ مال میں فروخت کر دوں گا۔ اِس معاملے کو عربی میں "**بیع حاضر للباد**" کہتے ہیں۔ اِس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہری تاجر جس کا سامانِ تجارت شہر میں موجود ہے اور شہریوں کو اُس کی اشد ضرورت بھی ہے لیکن زیادہ منافع کمانے کی غرض سے وہ اپنا مال بجائے شہر میں فروخت کرنے کے دیہات میں جا کر فروخت کرے اور سادہ لوح دیہاتیوں سے من مانی قیمت وصول کریں۔ چونکہ بیع حاضر للباد کی اِن دونوں صورتوں میں عام طور پر شے کی قیمت کا درست تعین نہیں ہوتا لہٰذا اِسے بھی مکروہ قرار دے کر اس سے روک دیا گیا۔ فقہاءِ کرام نے اِن دونوں کے مکروہ ہونے کی جو علتیں (reasons/rationale) بیان کی ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اِس سے شے کی درست قیمت متعین نہیں ہوتی اور دوسری یہ ہے کہ اِس سے عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شہری یہ معاملہ اِس طرح کرتا ہے کہ جس میں مکروہ ہونے کی یہ دو علتیں موجود نہ ہوں تو پھر اِس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ وقت میں ایسے لوگوں کا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ جو صرف غریب اور سادہ لوح کسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے یہ کام انجام دیں۔ منڈیوں وغیرہ میں آڑھتی کا جو کام ہو رہا ہے وہ بھی اِن ہی دو خرابیوں کے نہ ہونے کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ کبھی دیہاتیوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنا مال شہر میں لا کر فروخت کریں لہٰذا وہ شہر کے آڑھتیوں سے یہ معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اپنا مال تمہیں فروخت کر دوں گا یا تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر تم اِنہیں آگے شہریوں کو فروخت کر دینا۔ اگر یہ معاملہ صرف اِس حد تک ہے تو اِس میں کوئی قباحت نہیں۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ اِسلام چیزوں کی قیمت کے متعین ہونے کو بھی

طلب و رسد کے نظریئے پر چھوڑتا ہے تاہم تاجروں کو اِس بات کا بھی پابند بنایا گیا ہے کہ منافع کو حاصل کرنے میں وہ قناعت، اعتدال، حسنِ معاملہ اور نرمی کو نظر انداز نہ کریں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ چیزوں کی قیمت متعین فرما دیں تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ **اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ** یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت کا تعین کرنے والا ہے، چیزوں کی رسد میں کمی کرنے والا اور اضافہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ اِس حدیث مبارک میں اگرچہ طلب و رسد کے فطری اُصول کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاہم بعض حالات میں مثلاً جب قیمتوں میں کمی کرکے عام تاجروں کو جائز منافع کمانے سے بھی روکا جارہا ہو یا زیادہ منافع خوری کے ذریعے صارفین کا استحصال کیا جارہا ہو، تو چیزوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کرنے کا اختیار حاکم کو بھی دیا گیا ہے۔ اِس حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں ہمیں ایک مثال ملتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یک مرتبہ بازار آئے تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی چیز معروف نرخ سے کم پر بیچ رہا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ **اِمَّا اَنْ تَزِیْدَ فِی السِّعْرِ وَ اِمَّا اَنْ تَرْفَعَ عَنْ سُوْقِیْ** کہ تم یا تو قیمت میں اضافہ کرو یا پھر بازار سے چلے جاؤ۔

قیمتوں کے کنٹرول (control) میں حکومت کی مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ وہ فوری طور پر ایسے اسباب و محرّکات کا قلع قمع کرے، جن کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کا حرص پروان چڑھ رہا ہو، ناجائز منافع خوروں کے خلاف سخت کاروائی عمل میں لائی جائے اور اُن اسباب کے ختم ہونے تک قیمت کا تعین حکومت کی ذمہ داری ہو۔

حدیث نمبر:9

رشوت کی مذمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ فِی النَّارِ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔

تخریج: (المعجم الکبیر للطبرانی، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:1435)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک میں ایک ایسی مالیاتی بدعنوانی کی مذمت بیان کی جارہی ہے، جو معاشرے کو ایک ناسور کی طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جس کے دوررس برے اثرات اجتماعی اور انفرادی سطح پر پڑتے ہیں۔ وہ مالیاتی بدعنوانی ''رشوت کا لین دین'' ہے۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اپنی اِس حدیث مبارک میں رشوت دینے اور لینے والے دونوں کو یہ وعید سنائی کہ وہ دونوں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ہمارے ہاں عام طور پر رشوت لینے والے کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے اور اُسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن اِس حدیثِ مبارک میں دلچسپ بات یہ ہے کہ رشوت دینے والے کا ذکر پہلے کیا گیا اور لینے والے کا بعد میں۔ یہ اِس طرف اشارہ ہے کہ رشوت لینا اور دینا اگرچہ دونوں ہی رویے قابلِ مذمت ہیں، لیکن دینے والا لینے والے کی بہ نسبت زیادہ بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ اُس کے دینے سے یہ برائی معاشرے میں فروغ پاتی ہے اور لینے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی

ہے۔اگرلوگ رشوت دینے سے باز آجائیں تو لینے والے کس سے لیں گے؟۔

رشوت کیا ہے؟ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی جامع ترین تعریف اِس طرح کی ہے کہ ”رشوت وہ چیز ہے جو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس مقصد کے تحت دیتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو یا اس کے من پسند منصب پر اسے فائز کیا جائے“۔ رشوت کے اِس قدر انفرادی اور اجتماعی نقصانات ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔جب کسی معاشرہ میں رشوت ستانی عام ہوجاتی ہے تو سب سے پہلے عدل وانصاف کا قتلِ عام ہوجاتا ہے،میرٹ کی حیثیت ختم اور دولت کو فوقیت مل جاتی ہے۔معیار کی بجائے پیسے کا بول بالا ہوجاتا ہے،عہدے اور مناصب فروخت ہونے لگتے ہیں،لوگوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے، ادارے اپنا کام درست طریقے سے نہیں کرپاتے ، نااہلوں کی کثرت بالآخر اداروں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ پر امن معاشرہ اختلاف وافتراق اور باہمی نفرت وعداوت کا شکار ہوجاتا ہے۔

آج رشوت کے اِس ناسور میں ایک عام کلرک سے لے کر عوام کے قیمتی ووٹ کے ذریعے وزارت حاصل کرنے والے بھی مبتلا ہیں۔سوائے چند کے اکثر انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھورہے ہیں۔ رشوت کے لین دین میں ملوّث افراد دراصل ملک وملت اور قوم کے دشمن ہوتے ہیں۔اُنہیں کسی سے محبت نہیں،انہیں صرف اور صرف اپنی ذات اور مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ایک حدیث مبارک میں ایسے خودغرض ، ہوسِ زر میں مبتلا مفاد پرست لوگوں کو ناپسندیدہ لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔

سرکاری اور دیگر اداروں کے ملازمین رشوت لیتے ہیں اور دل کی تسلی کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو اُس کا حق دلانے میں مدد کی ہے لہٰذا ہم اُس سے حقِ محنت لے رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے دفاتر میں کام کرنے کا باقاعدہ معاوضہ لیتے ہیں اور اُن کی ذمہ

داریاں یہی ہیں کہ وہ لوگوں کو آسانیاں فراہم کریں، اُن کا کام بروقت کر کے دیں اور اُن کے ساتھ تعاون کریں۔اب اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر سرکار سے تنخواہ لے رہے ہیں تو پھر عوام سے الگ سے پیسے لینے کا کیا جواز ہے؟ ایسے پیسے کو رشوت کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔آج نوکریاں فروخت ہو رہی ہیں، باقاعدہ اُن کی بولی لگتی ہے، جو جتنی زیادہ رقم بطورِ رشوت دیتا ہے، قطعِ نظر اِس کے کہ وہ حق دار ہے یا نہیں، وہ منصب حاصل کر لیتا ہے۔لہٰذا جب ہر سطح پر رشوت ستانی کا دور دورہ ہوگا تو پھر صنعتیں تباہ و برباد ہونگی اور ادارے فائدے کی بجائے نقصان دینگے۔وطنِ عزیز میں اِس کی ایک نہیں بلکہ اسٹیل ملز، ریلوے اور پی آئی اے اوران جیسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ان اداروں کی تباہی کی متعدد وجوہات میں ایک وجہ رشوت بھی ہے۔

پولیس کا محکمہ، جس کا باقاعدہ قیام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافتِ راشدہ کے زمانے میں وجود میں آیا۔اِس محکمے کے قیام کا بنیادی مقصد لوگوں کی جان، مال اورعزت وآبرو کی حفاظت تھی۔بدقسمتی سے یہ ادارہ رشوت خوری کا مرکز بن گیا، جس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی، قتل وغارت گری میں اضافے، قانون شکنی اورعزت وآبرو کی پامالی کی صورت میں نظر آرہا ہے۔لوگ جرائم کرتے ہیں اور رشوت دے کر بڑی آسانی سے اپنی جان بچا لیتے ہیں۔رشوت بند کمروں سے لے کر سڑکوں تک کھلے عام نظر آتی ہے، کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں۔ٹریفک قوانین توڑ کر چند روپوں کے عوض اپنی جان چھڑانا ایک عام سی بات ہے۔

تجارتی سطح پر بھاری رقم کے بدلے بڑے بڑے ملکی اورعوامی منصوبے حاصل کر لئے جاتے ہیں۔اور اِس رشوت کی رقم کے بوجھ کو کم کرنے کی خاطر ناقص مال منصوبے میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ایسے منصوبے (projects) ناپائیدار ہوتے ہیں اور سانحہ شیر شاہ جیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔تاجر حضرات معیار کو جانچنے

والے (quality control) اداروں کو رشوت دے کر اپنے غیر معیاری اور مضرِ صحت مصنوعات کی منظوری حاصل کر لیتے ہیں اور قوم کی جان، مال اور صحت سے بے خوف ہو کر کھیلتے ہیں۔ حال ہی میں پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ناقص دوا کھا کر سینکڑوں افراد کا لقمۂ اجل ہو جانا اِس کا واضح ثبوت ہے۔ یہ رشوت ہی ہے، جس کی وجہ سے مرچوں کی بجائے پسی اینٹ، کالی مرچ کی جگہ پپیتے کے بیج اور پانی ملا دودھ کھلے عام بازار میں فروخت ہو رہا ہے۔ تاجر حضرات کے رشوت دینے سے ایک طرف مصنوعات کے معیار میں کمی آ جاتی ہے تو دوسری طرف اِس رشوت کا بار صارفین پر ڈال دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اشیاءِ صرف کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہو جاتا ہے۔ آج وطنِ عزیز میں مہنگائی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

رشوت کی ان ہی خرابیوں کی وجہ سے نہ صرف زیرِ مطالعہ حدیث مبارک بلکہ قرآنِ مجید کی متعدد آیات اور دیگر احادیثِ مبارکہ میں اِس کی شدید الفاظ میں مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ☆ ترجمہ: ''اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطورِ رشوت) وہ مال حاکموں کو دو، تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ۔ (سورۂ بقرہ، آیت 188)''۔ سورۂ بقرہ کی اِس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رشوت بھی اگرچہ ناحق مال کھانے کی ہی ایک صورت ہے، اِس کے باوجود اِس کی شناعت اور ناپاکی کو ظاہر کرنے کی غرض سے آیتِ کریمہ میں اِس کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ حاکموں، ججوں، وکلا، مجسٹریٹ، پٹواریوں اور دیگر افراد کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتے ہیں اور پھر دوسروں کی جائداد، دولت اور مال پر ناجائز تسلط حاصل کر لیتے ہیں۔ آج رشوت

کی یہ صورت معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ یہ صورت زمانۂ جاہلیت میں بھی رائج تھی اور آج کے نام نہاد مہذب اور تعلیم یافتہ زمانے میں بھی مختلف ناموں اور صورتوں میں رائج ہے۔ کبھی یہ نذرانے کے نام پر تو کبھی تحفے کے نام سے دی جاتی ہے اور کبھی خدمت وعقیدت کے خودساختہ نام سے۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ایسی ہی رشوت کو گناہ قرار دیا جارہا ہے۔

اِسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 63 میں علماءِ یہود اور اُن کے حکام میں پائی جانے والی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ انتہائی بُرا کام ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں یہود ونصاریٰ کے واقعات محض قصے کہانی اور دل لگی کے لئے بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ درسِ عبرت کے طور پر اور اُن برائیوں کے برے اثرات سے بچنے کی ترغیب دینے کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حدیث مبارک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قومِ بنی اسرائیل میں یہ برائیاں پائی جاتی تھیں، اُمتِ مسلمہ کے بعض طبقہ میں بھی پائی جائیں گی۔ لہٰذا ہمیں چوکنا رہنا چاہئے اور غور کرنا چاہیے کہ کہیں ہم میں بھی تو وہ برائیاں نہیں پیدا ہو گئیں اور غور کرنے پر پتا چلے گا کہ یقیناً ہم میں بھی یہ برائی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر پیدا ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کئی احادیثِ مبارکہ میں رشوت خور پر لعنت کی گئی ہے اور رشوت کے تکلیف دہ نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ "جو بھی گوشت مالِ رشوت سے پروان چڑھتا ہے، تو اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہی زیادہ مناسب ہے۔ اِسی طرح ایک حدیث مبارک میں ہے کہ جو گوشت رشوت کی رقم سے پروان چڑھے گا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

رشوت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کے بعد ایک اہم مسئلے کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں رشوت لینے کی تمام صورتوں کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔البتہ رشوت دینے کی چند صورتوں کی اجازت بھی دی ہے اور اُن صورتوں میں رشوت دینے سے رشوت لینے والا گناہ گار ہوگا رشوت دینے والا نہیں۔مثلاً اگر کسی جگہ اپنی جان یا عزت وآبرو کو بچانے کے لئے کسی کو کچھ دینے پر مجبور ہوجائے ،تو پھر جان وعزت کے بچاؤ کے لئے اختیار کئے گئے اِس قبیح فعل کا سارا وبال رشوت لینے والے پر ہوگا۔اِسی طرح بعض اوقات ایسے حالات پیدا کردیئے جاتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے اپنا جائز شرعی وقانونی حق حاصل کرنا عملاً ناممکن بنادیا جاتا ہے اور وہ اپنے جائز حق کو لینے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہوجاتا ہے تو اِس کا سارا وبال رشوت لینے والے پر ہوگا۔ اِس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ جی پی فنڈ (GP fund) اور پنشن (pension) کا اجراء رشوت نہ دینے پر مشکل ترین بنادیا جاتا ہے اور گورنمنٹ ریٹائرڈ ملازمین اپنے محکمے اور اے جی آفس کے دفاتر کے چکر لگا کر عاجز آجاتے ہیں۔اِن معاملات میں رقم دینے کا ثبوت ایک حدیث مبارک سے ملتا ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہیں حبشہ میں اپنی جان چھڑانے کے لئے دو دینار دینے پڑے۔تب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہائی ملی۔اس وقت آپ نے فرمایا تھا **اِنَّ الْاِثْمَ عَلَى الْقَابِضِ دُوْنَ الدَّافِعِ** یعنی لینے والا گنہ گار ہوگا دینے والا نہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو رشوت کے ناسور سے نجات عطا فرمائے اور میرٹ کا بول بالا فرمائے ،(اٰمین بجاہ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم)۔

حدیث نمبر:10

سود کی مذمّت

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبَا وَ مُوْکِلَہٗ وَ کَاتِبَہٗ وَ شَاھِدَیْہِ وَ قَالَ ھُمْ سَوَاءٌ

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اُس کے (معاملے) کو لکھنے والے اور اُس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (مزید) فرمایا کہ وہ سب (گناہ) میں برابر ہیں۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن اکل الربا اوموکلہ، رقم الحدیث:4177)

تشریح:

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں سودی معاملے میں کسی بھی حیثیت سے شامل ہونے والوں کی مذمّت بیان کی جارہی ہے۔قرآنِ مجید اور اَحادیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ دِین میں سود کی جس قدر مذمت کی گئی ہے کہ اِس کی نظیر کسی اور حکم یا معاملے میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سود لینے والوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ جنگ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ**

ترجمہ: ”پس اگر تم ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لو، (سورۂ بقرہ، آیت:279)۔“ قرآنِ مجید میں شراب، جوئے اور خنزیر کی حرمت کا بھی ذکر ہے

لیکن اِن جرائم کا اِرتکاب کرنے والوں سے جنگ کا اعلان نہیں کیا گیا صرف سود خور سے اِعلانِ جنگ ہے۔

قرآن و حدیث میں سود کی اس قدر مذمت بیان کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں غریبوں کے استحصال (exploitation) کے ساتھ ساتھ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے تقسیم دولت کا نظریہ پروان نہیں چڑھ سکتا، علاوہ ازیں اس کی موجودگی میں معاشی ترقی کا عمل بھی بہتر طور پر انجام نہیں پاتا۔ ''امیر امیر تر اور غریب غریب تر'' ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے معاشرے میں سماجی عدل وانصاف اور اخوت و بھائی چارگی کے تصور کا ناپید ہوجانا یقینی ہوتا ہے۔ اِسلام چونکہ اُخوت و بھائی چارگی، سماجی و معاشرتی مساوات وعدل اور حقیقی اخلاقی و عملی نظام کا علمبردار ہے لہٰذا اس نے سود کے نظام کو ختم کرنے کے لئے ایسے طریقے وضع کئے، جو سود کے بہتر متبادل کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اِس قبیح اور ناپسندیدہ عمل کی مذمت فرمائی ہے اور نہ صرف سود لینے والے پر بلکہ دینے والے، گواہ بننے والے اور سودی معاملات کو لکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ ایک حدیث مبارک میں سود کے گناہ کو بیان اِس طرح کیا گیا کہ سود میں ستر سے زائد گناہ ہیں، اُن میں سب سے کم تر گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرلے۔ قارئینِ کرام خود اندازہ لگائیں کوئی سلیم العقل مسلمان اپنی ماں سے نکاح کرنا تو دور کی بات ہے، اِس کا تصور بھی نہیں کرسکتا لیکن سود خور دراصل اپنے عمل سے گویا کہ ایسا کررہا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ماں سے نکاح والے گناہ کو سود کھانے کا سب سے کم تر گناہ قرار دینے سے اس جرم کی سنگینی کا احساس دلانا مقصود ہے، (الامان والحفیظ)۔

حدیث نمبر:11

وسعت ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ: مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَائَهَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا:"جو لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرے گا، اور جس شخص نے مال بطور قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی وجہ سے تباہ کردے گا۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب من اخذ اموال الناس یرید اداءھا او اتلافھا، رقم الحدیث:2387)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک میں ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائی جارہی ہے، جو کسی سے قرض اِس نیت کے ساتھ لیتے ہیں کہ جیسے ہی توفیق ہوئی، ادا کردینگے تو اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی میں اُن کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا فرمادیتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ اگر قرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ مقصد کی خاطر نہ ہو، تو ادائیگی تک اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہوتا ہے۔(**المستدرک علی الصحیحین، کتاب البیوع**)۔اِسلامی تعلیمات کے مطابق انتہائی ضرورت کے وقت کسی کے لئے قرض لینا جائز ہے وگرنہ نہیں۔اِس کی وجہ یہ ہے قرض سے انسان پر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور بلاضرورت

قرض لینے سے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شاملِ حال نہیں ہوتی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے لئے بلاضرورت صرف نمود ونمائش اور جھوٹی انا کی غرض سے قرض لیتے ہیں اور پھر ساری زندگی پریشان رہتے ہیں۔ البتہ کسی شرعی اور جائز ضرورت کے لئے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اِس میں بھی یہ خیال رکھا جائے کہ اتنا قرض لیا جائے ،جس کی آسانی سے ادائیگی ہو سکے۔ ہمارے ہاں تو مالِ مفت دلِ بے رحم کا قاعدہ چلتا ہے کہ اگر کہیں سے قرض مل رہا ہو،تو بلاسوچے سمجھے قرض لے لیتے ہیں اور پھر بعد میں ادائیگی نہ کرنے کی بناء پر ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اِس کی تازہ ترین مثال کریڈٹ کارڈ ہے، جس میں کارڈ ہولڈر خوب مزے میں سہولت سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور پھر بعد میں ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل قرض علاوہ سود کا بوجھ بھی پڑ جاتا ہے۔ راقم الحروف ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہے، جنہیں قرض اور سود کی ادائیگی کے لئے ساری زندگی کی محنت گھر کو بھی فروخت کرنا پڑا۔ احادیثِ مبارکہ میں قرض لینے کو خودکشی کے مترادف قرار دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرض سے دور رہو کیونکہ اِس کی ابتدا غم ہے اور انجام ناداری ہے، (موطا امام مالک، کتاب الوصیۃ، باب جامع القضاء)۔

شریعت میں بلاضرورت قرض لینے اور ضرورت سے زیادہ قرض لینے کے ناپسندیدہ ہونے کا اندازہ اِس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تعلیمِ اُمّت کے لئے اپنی نماز میں قرض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے، اِس حوالے سے ایک دُعا ذیل میں درج کی جارہی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الْمَاثِمِ وَالْمَغْرَمِ ترجمہ: اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلّی اللہ تعالیٰ وسلّم سے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ قرض سے اِس قدر زیادہ پناہ کیوں طلب کرتے ہیں، تو آپ صلّی

اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بے شک بندہ جب قرض لیتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الاستقراض)۔

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں اُن لوگوں کی شدید مذمّت بھی کی گئی، جوادانہ کرنے کی نیت سے قرض لیتے ہیں۔اِسلام کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قرض دے تو مقروض کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی میں قرض خواہ کو بلا وجہ پریشان نہ کرے بلکہ اُس کی ادائیگی طے شدہ وعدے کے مطابق کردے اور اگر مقرر وقت پر ادائیگی میں دقت ہو رہی ہو تو پھر قرض خواہ سے جھوٹ بولنے یا اُسے دھوکہ دینے کی بجائے ،اُس سے مزید مہلت کی درخواست کرے۔ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ادانہ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے،وہ اللہ تعالیٰ سے چور کی حیثیت سے ملاقات کرے گا۔کسی مسلمان کے لئے اِس سے بڑھ کر باعثِ شرمندگی امر کیا ہوگا کہ وہ اپنے ربّ کی بارگاہ میں چور شمار کیا جائے۔اِسی طرح ایک حدیث شریف میں ہے کہ مالدار کا قرض دینے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مالدار کا قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا اُس کی آبرو اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ آبرو کو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور سزا کے طور پر اُسے قید کر دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔کیونکہ قرض مقروض کے پاس قرض خواہ کی امانت ہوتا ہے اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے امانتوں کو اُن کے حقداروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔قرض کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ اِس طرح بھی ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پہلے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ اِس میت پر کوئی قرض تو نہیں ،اگر اُس پر کوئی قرض نہ ہوتا تو جنازے کی امامت فرمادیتے وگرنہ منع کر دیا کرتے تھے۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اِس پُر حکمت طرزِ عمل سے ایک طرف تو قرض کے ادا کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے تو

دوسری طرف اس سے میت کا قرض کوئی اور ادا کردیتا، اور وہ اس طرح کہ اگر میت کا ترکہ اور اُس کے قرض کی ادائیگی کرنے والا نہیں ہوتا تو شرکاءِ جنازہ میں سے کوئی اِس کی ذمہ داری لے لیا کرتا تھا، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ایک مقروض شخص کی نمازِ جنازہ سے انکار فرمایا تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم! آپ نمازِ جنازہ کی امامت فرمائیے، میں اِن کی طرف سے قرض ادا کردوں گا۔ اِسی طرح حضرت محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں ہے ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا پھر اپنی ہتھیلی مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھا پھر سبحان اللہ کہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کس قدر سخت چیز نازل ہوئی۔ (آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم) کی بات سن کر ہم خاموش رہے اور خوفزدہ بھی ہوگئے۔ لہٰذا دوسرے دن میں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سے عرض کیا کہ کون سے سخت چیز نازل کی گئی ہے؟ تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کردیا جائے پھر زندہ ہو جائے پھر شہید کردیا جائے اور پھر زندہ ہو جائے حالانکہ اُس پر قرض ہو، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ اُس کی طرف سے قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے۔ (سنن نسائی)۔ قرض کی ادائیگی نہ کرنے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مقروض کی نیکیاں قرض خواہ کو بدلے میں دے دی جائیں گی۔ جیسا کہ رسولِ پاک صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ جس نے انتقال کیا اور اُس کے ذمہ دینار یا درہم ہو، تو اِس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہاں نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ ہی درہم۔ (سنن ابنِ ماجہ، ابوب الاحکام، التشدید فی الدین)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ مومن کی جان قرض کی ادائیگی تک معلّق (hung) رہتی ہے۔

حدیث نمبر 12

اِسلام میں بازار کی مشروعیت

عَنْ اَنسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ ھٰذَا فَقَالَ النَّبِیُّ سَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکَنُّوْا بِکُنْیَتِیْ

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم بازار میں تھے۔ایک (یہودی) نے کہا۔اے ابوالقاسم! تو نبی صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے مڑکر اِس کی طرف دیکھا،تو اُس نے ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نے اُسے بلایا تھاتو رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ماذکر فی الاسواق، رقم الحدیث:2120)
(صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی بابی القاسم، رقم الحدیث:5708)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک سے بازار جانے اور وہاں جا کر خریداری کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔بازار وہ جگہ ہے، جہاں تاجر حضرات اپنے اموالِ تجارت صارفین کو فروخت کرنے کی غرض سے دکانوں، ریڑھیوں اور اسٹالوں میں رکھتے ہیں اور آزادانہ ماحول میں اپنی تجارت کوفروغ دینے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں۔اَحادیثِ کریمہ میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ (یہ بازار ماہِ ذوالقعدہ کے شروع سے بیس ذوالقعدہ کے

درمیان لگتا تھا)، ذوالمجنہ (یہ بیس ذوالقعدہ سے یکم ذی الحج تک لگتا تھا) اور ذوالمجاز (یکم ذی الحج سے لے کر آٹھ ذی الحج تک) کے نام سے تین بازار لگا کرتے تھے۔ ان میں لوگ اپنے اموال کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ اِن بازاروں کی حیثیت اُن کے نزدیک میلوں کی طرح تھی، جہاں وہ خرید وفروخت کے علاوہ چند منکرات اور ناپسندیدہ اُمور بھی شامل تھے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اِسلام آیا تو صحابۂ کرام علیہم الرِّضوان نے اِن بازاروں میں جانے میں تنگی محسوس کی۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ جاہلیت میں لوگ اگرچہ اِن مہینوں میں بازار لگایا کرتے تھے لیکن ساتھ ہی گناہ کے کام بھی کرتے تھے تو کیا ہم ایسی جگہوں میں تجارت اور خرید وفروخت کریں تو اِس پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں آیتِ کریمہ کو نازل فرمادیا کہ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ** یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ربّ کے فضل کو تلاش کرو یعنی حج کے زمانے میں بھی تمہارے لئے تجارت کرنا جائز ہے۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر 198)۔

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اِس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے تحت بازار جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ اور مباح ہے۔ یعنی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کسبِ معاش اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بازار گئے اور امت کو بازاروں میں جانے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بازار گئے، جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک کپڑا فروش سے چار درہم میں زیبِ تن کرنے کے لئے ایک سلا ہوا کپڑا خریدا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بلند مرتبہ لوگوں کا نوکر چاکر ہونے کے باوجود بازار جاکر خود سے خرید وفروخت کرنا عین سنتِ مبارکہ ہے اور یہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کا بھی طرزِ عمل ہے۔ صاحبِ مرتبہ لوگ بازار میں جانے کو معیوب سمجھتے ہیں، اُنہیں

اپنی اُس سوچ کو بدلنا چاہئے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ(یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابۂ کرام ہیں،جنہیں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت سنادی تھی) کے بارے میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے انصار ومہاجرین صحابہ کرام کے درمیان مُواخات(brotherhood) قائم فرمائی تو آپ نے اپنے دینی بھائی سے بازار کا پتا معلوم کیا اور وہاں جاکر پنیر کا کاروبار شروع کیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے زمانۂ مبارک میں مدینۂ منورہ میں دو مشہور بازار''**سوقِ زبالہ**''اور''**سوقِ بنی قینقاع**''موجود تھے۔ سوقِ بنی قینقاع میں تاجروں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔علاوہ ازیں مدینہ منورہ میں جانوروں کے بھی دو بازار قائم تھے،جن میں ایک کا نام''**سوقِ مزاحم**''اور دوسرے کا نام''**سوقِ بقیع الخیل**'' تھا۔رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم خود بھی اِن بازاروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم حسبِ ضرورت بازار تشریف لے جاتے تو کفارِ مکہ آپ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں، جو بازاروں میں جاتے ہیں اور کھانا وغیرہ نوش کرتے ہیں؟ اِس اعتراض سے اُن کا منشا یہ تھا کہ یہ سب کام کسی رسول کے شایانِ شان نہیں ہیں اور مقامِ نبوت کے خلاف ہے۔چنانچہ قرآنِ مجید میں اُن کے اِس اعتراض کو ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے:**وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا**☆ترجمہ:اور کافروں نے کہا! یہ کیسا رسول ہے، جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا، جو اِس کے ساتھ عذاب سے

ڈرانے والا ہوتا،(سورۂ فرقان، آیت نمبر: 7)۔یہ انتہائی لغو، فضول اور گھٹیا سوچ پر مبنی اعتراض تھا لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط** ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے،(سورۂ فرقان، آیت نمبر:20)۔اِس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے تحت بازاروں میں جانا نہ صرف رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ ہے بلکہ دیگر رسلِ عظام کی بھی سنتِ طیبہ ہے۔

جہاں تک اُس حدیث مبارک کا تعلق ہے،جس میں بازار کو"**ابغض البقاع**" یعنی ناپسندیدہ ترین جگہ قرار دیا گیا ہے تو اِس حوالے سے عرض یہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان کا منشاء تمام بازار ہی کو ناپسندیدہ قرار دینا نہیں ہے ورنہ پھر تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلم بھی بازار تشریف نہیں لے جاتے حالانکہ اِس بات کو پہلے ہی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم بازار تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا یہاں یہ سمجھنا ہوگا کہ حدیث مبارک میں جس بازار کی مذمت بیان کی گئی ہے،اُس سے مراد ہر بازار نہیں بلکہ وہ بازار ہے، جہاں زمانۂ جاہلیت کی طرح منکرات،لغویات اور ان جیسے دیگر قبیح کام ہو رہے ہوں۔ جہاں شور وغل، جھوٹ، گانا بجانا اور دھوکہ دہی ہوں۔اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو عصرِ حاضر کے بازاروں میں بھی زمانۂ جاہلیت جیسے معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں،یہی وجہ ہے کہ سمجھدار لوگ انتہائی ضرورت کے تحت بازار جاتے ہیں اور زیادہ جانے سے اجتناب کرتے ہیں۔لہٰذا تاجروں کو چاہئے کہ وہ بازار میں ایسا ماحول پیدا کریں ،جو اِسلامی روح اور سنتِ انبیاءِ کرام کے عین مطابق ہو۔ورنہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کی رو سے ایسے ہی بازاروں میں جانا مکروہ یعنی ناپسندیدہ ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اِسلام میں بلاضرورت بازار میں جانے کی اِجازت نہیں۔ ہمارے ہاں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ بغیر کسی مقصد کے بازار جاتے ہیں، وہاں یونہی گھومتے پھرتے ہیں اور نہ صرف اپنا بلکہ تاجروں کا قیمتی وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔ کئی لوگ تاجروں کو خواہ مخواہ تنگ کرنے کے لئے بازار جاتے ہیں، بھاؤ تاؤ کرتے ہیں حالانکہ اُن کی نیت خریدنے کی ہرگز نہیں ہوتی وہ ہر تاجر کو ایسا تاثر دیتے ہیں کہ گویا اُس نے مال خریدنا ہے۔اِس مقصد کی غرض سے بھی بازار جانا جائز نہیں۔

حدیث نمبر:13

مارکیٹنگ اور دین کی تعلیمات

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ : مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ

ترجمہ:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (صحابہ) نے عرض کی: یارسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کون سا اسلام (مسلمان) افضل ہے، تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل، رقم الحدیث:11)
(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل وای امورہ افضل، رقم الحدیث:172)

تشریح:

مارکیٹنگ (Marketing) جدید کاروبار میں ایک اہم عنصر کی حیثیت حاصل کرچکی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ کسی کاروبار کی ترقی یا تنزلی کا انحصار اُس کی مارکیٹنگ

کے مضبوط یا کمزور ہونے پر ہے۔ یہ جس قدر زیادہ مضبوط ہوگی، بازار یا منڈی میں مصنوعات کی کھپت(consumption) اُسی قدر زیادہ ہوگی۔لہٰذا مصنوعات کی اِسی اہمیت کے پیشِ نظر آج سب سے زیادہ محنت اور سرمایہ اِسی پر صرف کیا جارہا ہے۔ ہر ادارہ باقاعدہ الگ سے مارکیٹنگ کا ایک شعبہ قائم کرتا ہے، جس میں مارکیٹنگ کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہے اور اِس کے لئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کا بجٹ رکھا جاتا ہے۔ یہ ماہرین اپنے ادارے کی مصنوعات(production) کو عام اور مقبول کرنے کی غرض سے ہر حربہ(technique) استعمال کرتے ہیں۔ اپنے جیسے دوسرے ادارے کی مصنوعات کو غیر معیاری ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اِس طرح اداروں میں مسابقت (Competition) پیدا ہوجاتی ہے اور اِس مسابقت کی نوعیت جنگ کی سی ہوتی ہے۔ معیار(Quality) سے زیادہ نمود و نمائش پر محنت کی جاتی ہے یعنی چیزوں کی فروخت میں اضافے کو زیادہ اور معیار کو کم اہمیت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس مسابقت اور معاشی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے ادارے مارکیٹنگ کرتے وقت اِسلامی اُصول و ضوابط کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ اپنی مصنوعات کی تشہیر میں جھوٹ، دھوکہ، رشوت، سود، قمار(Gambling) جسمانی نمائش، بے پردہ خواتین اور غلط بیانی کا سہارا لیتے ہیں۔ غیر معیاری اور غیر ضروری اشیاء کو صارفین کے سامنے اِس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ اُن ہی کی ضرورت ہے۔ بلکہ مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ لوگوں نے بتایا کہ ہمیں اِس طرح تربیت دی جاتی ہے کہ ہم گنجے کے سامنے کنگھی کی اِس قدر فوائد بیان کریں کہ گنجا ضرورت نہ ہونے کے باوجود یہ سمجھے کہ یہ کنگھی اُسی کی ضرورت ہے اور شاید اُس کے بال نہ ہونے کا سبب کنگھی کا استعمال نہ کرنا ہے۔

یہ ہے جدید مارکیٹنگ کا مختصر تعارف۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت مارکیٹنگ کے

بارے میں ہماری کس طرح رہنمائی کرتی ہے اور جدید مارکیٹنگ کی شریعت میں کس حد تک گنجائش ہے؟ تو اِس حوالے سے درجِ بالا حدیث مبارک سے رہنمائی ملتی ہے۔ اگرچہ اِس حدیث شریف میں بلاواسطہ (Directly) مارکیٹنگ کا ذکر نہیں ہے لیکن اپنی عمومی معنیٰ کے اعتبار سے ہمیں مارکیٹنگ کے بارے میں واضح ہدایات فراہم کررہی ہے۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے کامل مسلمان اُسے قرار دیا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ اِسی طرح خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر، جب آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم تمام انسانیت کو عالمی منشور دے رہے تھے تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا تھا کہ دوسرے کا مال، جان اور عزت تمہارے لئے اتنی ہی قابلِ عزت ہیں، جس طرح یہ دن (عرفہ) اور یہ شہر (مکۃ المکرمہ) تمہارے لئے معزز و مکرم ہے۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ کامل مومن تو وہ ہے، جس سے دوسروں کا مال اور جان محفوظ رہیں۔ درجِ بالا نبوی ارشادات کی روشنی میں جدید مارکیٹنگ کو دیکھا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ کاروباری ادارے اِس کے ذریعے سے جھوٹ بولتے ہیں، اُنہیں دھوکہ دیتے ہیں اور اپنی غیر معیاری مصنوعات کی طرف صارفین کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے بے پردہ خواتین اور جسمانی نمائش جیسے غیر شرعی اور انتہائی ناپسندیدہ طریقۂ کار کو اختیار کرتے ہیں۔ اِس طرح وہ اپنی چرب زبانی اور غیر شرعی ہتھکنڈوں کو بروئے کار لاکر سادہ لوح لوگوں کے مال و جان سے کھیلتے ہیں۔

ذہن میں رہے کہ جدید مارکیٹنگ کی وجہ سے جہاں اَخلاقی اعتبار سے معاشرہ گراوٹ کا شکار ہورہا ہے، ہوسِ زر کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے اور انسانی ہمدردی دم توڑ رہی ہے تو دوسری جانب مارکیٹنگ پر بے انتہا اِخراجات کا غیر ضروری بوجھ آخر کار صارفین پر ہی پڑتا ہے، کیونکہ اُسے اُس مصنوع (product) کی قیمت میں شامل کرکے منافع کا تعین کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مہنگائی میں بے انتہا اضافہ ہورہا ہے۔ کچھ ادارے مارکیٹنگ

کے اخراجات کا بوجھ صارفین پر قیمت بڑھا کر ڈالنے کی بجائے معیار یا تعداد میں کمی کر کے کم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ اور بے ایمانی ہے اور اِس کی بھی اِجازت نہیں۔

اِسلام کسی کو اپنی مصنوعات بازار میں لانے اور اُن کی طرف لوگوں کو راغب کرنے سے ہرگز نہیں روکتا لیکن یہ پابندی ضرور لگاتا ہے کہ ترغیبات (Motivations) ایسی ہوں کہ جس سے لوگ فضول خرچ نہ بنیں اور اُن میں اشیاء کو بغیر ضرورت استعمال کرنے کی خواہش نہ پیدا ہو۔ اِسی طرح تدلیس (deception) اور خلابہ بھی جائز نہیں۔ تدلیس کے معنیٰ کسی شے کے عیب کو چھپانا اور اُس کی بے جا تعریف کرنے کے ہیں جبکہ خلابہ کے معنیٰ اپنی چرب زبانی اور چالاکی سے کسی کو بیوقوف بنانے کے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مارکیٹنگ میں پورا زور اِنہی باتوں پر دیا جاتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سے یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ میں خریداری کرتا ہوں تو اپنی سادگی کی بنا پر فروخت کنندہ کی چرب زبانی سے متاثر ہو جاتا ہوں اور مال خرید کر اکثر دھوکہ کھا جاتا ہوں تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ اب جب بھی تم خریداری کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ **لاخلابة ولی الخیار بالثلاثه** یعنی دھوکہ نہیں ہے اور مجھے تین دن تک مال کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔

تاجروں کو یہ سوچنا چاہئے کہ مارکیٹنگ میں غیر شرعی اور اوچھے ہتھکنڈوں سے اُن کی مصنوعات تو فروخت ہو جاتی ہیں لیکن اس سے اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ناراض ہو جاتا ہے اور برکت ختم ہو جاتی ہے اور ان کا ناجائز حربوں سے کمایا ہوا نفع ڈاکٹروں اور اسپتالوں کی نذر ہو جاتا ہے یا اولاد کی آوارگی و، عیاشی اور اَخلاقی بربادی کا سبب بنتا ہے۔ ایسے ہی تاجروں کے بارے میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ گناہ گار کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مارکیٹنگ میں غیر شرعی اُمور سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، (اٰمین)۔

حدیث نمبر:14

سودے پر سودا کرنے اور نجش (دھوکہ) کی ممانعت

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ لَا يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَحْلُبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا: غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی بیع (خرید و فروخت) کا معاملہ طے ہونے یا ختم ہونے تک اس چیز کی خریداری کا معاملہ نہ کرے، کیونکہ سابق خریدار زیادہ قیمت دینے پر برانگیختہ ہوگا اور شہری تاجر دیہاتیوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں (دو تین وقت) کا دودھ روک کر نہ چھوڑا جائے۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے، اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کردے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار کلوگرام) کھجوریں بھی دے دے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ وتحریم النجش وتحریم التصریہ، رقم الحدیث:3890)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک میں دراصل خرید و فروخت میں پائی جانے والی کئی خرابیوں کا تذکرہ ہے۔ان میں سے چند خرابیوں پر پہلے ہی لکھا جاچکا ہے۔یہاں صرف حدیث میں مذکوردو خرابیوں **سوم علی سوم الغیر** اور **نجش** کی وضاحت کی جائے گی،کیونکہ ہمارے بازار اِن دو خرابیوں سے بھرے پڑے ہیں۔سوم عربی زبان میں سودے کو کہتے ہیں۔لہٰذا **سوم علی سوم الغیر** کے معنیٰ "کسی کے سودے پر سودا کرنے (bargaining)" کے ہیں۔اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان سودے کی خریداری پر بھاؤ تاؤ ہورہا ہو یا فروخت کنندہ چیز کو کسی ایک قیمت پر فروخت کرنے پر راضی ہوجائے،تو عین اُس وقت کوئی تیسرا شخص فروخت کنندہ سے یہ کہے کہ میں یہ چیز تم سے زیادہ قیمت پر لے لوں گا لہٰذا مجھے فروخت کردو۔حالانکہ اُس کا مقصد شئے کو خریدنا نہیں بلکہ سودا کو خراب کرنا یا چیز کی قیمت کو بڑھانا ہے۔حدیث مبارک میں اِس عمل کے لئے **سوم علی سوم اخیہ** کے الفاظ بھی آئے ہیں،جس کے معنیٰ "اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنے" کے ہیں۔بعض فقہاءِ کرام نے **سوم علی سوم الغیر** اور **سوم علی سوم اخیہ** کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ **سوم علی سوم الغیر** میں تیسرے شخص کی طرف سے مداخلت سودا مکمل ہونے سے پہلے ہوتی ہے جبکہ **سوم علی سوم اخیہ** میں مداخلت سودا مکمل ہوجانے کے بعد ہوتی ہے۔شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ دونوں ہی درست نہیں۔جیسا کہ حدیثِ مبارک میں بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نام لے کر اس عمل کی ممانعت ارشاد فرمادی ہے۔لین دین کا اَخلاقی اُصول یہ ہے کہ جب تک فریقین حتمی فیصلہ نہ کرلیں،اُس وقت تک کوئی تیسرا شخص اُن کے درمیان مخل نہ ہو،چاہے اُس کی نیت فی الواقع لینے ہی کی ہو پھر بھی وہ دخل اندازی نہیں کرسکتا بلکہ آزادی کے ساتھ انہیں

بھاؤ تاؤ کرنے کا موقع دے۔فقہاءِ کرام نے **سوم علی سوم الغیر** کی ایک صورت یہ بھی لکھی ہے کہ بھاؤ تاؤ کے بعد خریدار کسی قیمت پر شئے لینے پر راضی ہوگیا ہو اور پھر کوئی اور شخص وہی چیز طے شدہ قیمت سے کم پر دینے کی پیشکش کردے تاکہ پہلا سودا ختم ہوجائے ۔یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

بعض بڑے تاجر حضرات بازار میں اپنی اجارہ داری **(monopoly)** قائم کرنے کے لئے اِس طرح سودے پر سودا کرتے ہیں، چھوٹے اور نئے تاجر جب کسی کاروباری ادارے سے مال خریدنے کے لئے سودا کر رہے ہوتے ہیں تو اُس وقت بڑے مالدار تاجر اُس کاروباری ادارے کو زیادہ رقم پر مال خریدنے کی پیشکش کردیتے ہیں اور زیادہ قیمت دے کر معاہدہ منسوخ کرادیتے ہیں تاکہ چھوٹے اور نئے تاجر اپنے کاروبار کو جاری نہ رکھ سکیں اور بازار سے نکل جائیں اور پھر بعد میں یہی بڑے تاجر لوگوں سے اپنی چیزوں کی من مانی قیمت وصول کرکے صارفین کا استحصال کریں۔اِسلام نے ہر ایک تاجر کو آزادی کے ساتھ بازار میں کاروبار کرنے کی اِجازت دی ہے۔کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اوچھے ہتھکنڈوں سے اپنے مسلمان بھائی کو کاروبار کرنے سے روکے۔یہ کاروباری اَخلاقیات کی بھی خلاف ورزی ہے۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت میں ہے کہ وہ نئے تاجروں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور ان کے لئے راہیں ہموار کرتے تاکہ اُنہیں کاروبار میں نقصان نہ ہو۔

خرید وفروخت کی طرح اجارہ یعنی کرایہ داری کے معاملے میں بھی یہ صورت پائی جاتی ہے اور یہاں بھی یہ ناجائز ہے۔مثلاً کسی دو شخص کے درمیان کسی چیز کو کرائے پر دینے کی بات چل رہی ہے اور اسی دوران کوئی تیسرا شخص مالک کو زیادہ کی پیشکش کردے یا کرائے پر لینے والے کو اپنی چیز اُس سے کم کرائے پر دینے کا کہہ دے تو شرع میں اِس کی

اجازت نہیں۔بعض اوقات ملازم رکھتے وقت بھی یہ صورتِ حال نظر آتی ہے کہ ایک شخص کسی دوسری جگہ اچھا بھلا کام کررہا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا ادارہ اُسے توڑنے کے لئے زیادہ رقم کی پیشکش کردیتا ہے،اس طرح آپس میں رنجشیں بھی بڑھتی ہیں اور بازار میں رائج اُجرت کو مقرر کرنے کا طریقۂ کار بھی متاثر ہوتا ہے۔

نجش عربی زبان میں دھوکہ دینے ،یا کسی چیز کی بے جا تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔جبکہ فقہی اعتبار سے اس کا معنی کسی چیز کو فروخت کرنے کی غرض سے اُس کی اِس قدر تعریف کی جائے کہ خریدنے والا سمجھے کہ بس یہ اُس کی ضرورت ہے اور خریدنے پر مجبور ہوجائے۔ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی قیمت اِس قدر بڑھادینا کہ سادہ لوح لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ یہ چیز واقعی میں بہت اہم ہے،اسی وجہ سے اِس کی قیمت اتنی زیادہ ہے۔آج کل مختلف مصنوعات کی جو مارکیٹنگ ہورہی ہے،وہ اِسی تعریف میں آتی ہے۔اخبارات، رسائل،ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے دلآویز، جاذبِ نظر اور مہنگے اشتہارات دیے جاتے ہیں۔مختلف اَقسام کی مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنیاں اپنی معیاری وغیر معیاری مصنوعات کو فروخت کرنے کی خاطر قوم کے اَخلاق وکردار کی تباہی کا سودا کررہی ہیں۔اکثر کمپنیاں اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ کے لئے ایسے نفسیاتی حربے استعمال کررہی ہیں،جن سے اُنہیں تو فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن عام لوگوں کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔جھوٹ،دھوکہ دہی اور فریب معاشرے میں اِن اشتہارات کے ذریعے پھیل رہے ہیں۔آج کمپنیاں خواتین کے نیم برہنہ جسم کی نمائش،اُن کی صنفی کشش کے اُبھار اور اشتہا انگیز ناز وادا کے ذریعے اپنے خریداروں میں اضافہ کررہے ہیں۔اور اِس دوڑ میں موبائل کمپنیز سے لیکر کپڑے کی مصنوعات سے تعلق رکھنے والی تمام کمپنیاں شامل ہیں۔تف ہے اُن ٹیکسٹائل کمپنیوں کے اشتہارات پر جو لباس کے اشتہار میں نیم برہنہ

لڑکیوں کو استعمال کر کے اِنسانیت کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ آج قوم سے بحیثیتِ مجموعی حیا ختم ہو چکی ہے، کیونکہ حیا ہوتی تو یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا کہ اگر تم میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کرو۔ اور ہم واقعی بے حیائی میں مبتلا ہو کر سب کچھ کر رہے ہیں۔ موبائل فون کے اشتہارات کے نام پر قوم کے لڑکے اور لڑکیوں کو بے حیائی کے اندھے کنویں (blind well) میں دھکیل رہے ہیں، کوئی اشتہار ایسا نہیں جس میں صنفِ نازک کو استعمال نہ کیا جا رہا ہو، مختلف قسم کی کریموں اور صابن سے لے کر موٹر سائیکل اور دوائیوں کے اشتہارات تک میں عورتوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ الغرض ہمارے ملک میں میڈیا عورتوں کی نمائش اور اِن کے ذریعے فحاشی و عریانیت پھیلانے کا ذریعہ بن چکا ہے۔ اِن اشتہارات سے ایک طرف قوم میں بے حیائی پھیل رہی ہے تو دوسری طرف مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنیاں اشتہارات کے خطیر اخراجات کو مصنوعات کی قیمت میں شامل کر کے ان کا بوجھ بھی صارفین پر ڈالتی ہیں، جس کی وجہ سے مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس طرح کی فحاشی و عریانیت پر مبنی اشتہارات نہ صرف شرعی اعتبار سے قابلِ مذمت ہیں بلکہ آئینِ پاکستان کی دفعہ 19، 31 کی شق 2 (ب) اور 37 کی شق (ز) کی رو سے خلافِ قانون ہیں۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کے لئے یہاں آئین کی مذکورہ دفعات کا اُردو متن درج کیا جا رہا ہے:

''اِسلام کی عظمت یا پاکستان یا اس کے کسی حصہ کی سالمیت، سلامتی یا دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امنِ عامہ، تہذیب یا اَخلاق کے مفاد کے پیشِ نظر یا توہینِ عدالت، کسی جرم کے ارتکاب یا اس کی ترغیب سے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع ہر شہری کو تقریر اور اظہارِ خیال کی آزادی کا حق ہوگا، اور پریس کی آزادی ہوگی، (www.na.gov.pk/publications/constitution.pdf) ۔'' نہ

صرف آئین کی دفعہ نمبر 19 کے تحت میڈیا کے ذریعے فحاشی و عریانیت کو عام کرنا ملکی قانون کی خلاف ورزی اور آئین کی توہین ہے بلکہ آئین کی دفعہ 31 کی شق 2 (ب) اور دفعہ نمبر 37 کی شق (ز) کے تحت بھی قابلِ تعزیر جرم اور بار بار کرنا بغاوت ہے۔ آئین میں پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے دفعہ نمبر ۳۱ کی شق ۲ (ب) میں یہ درج ہے کہ:

"اتحاد اور اسلامی اَخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا"۔

اور دفعہ نمبر ۳۷ کے عنوان "معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ" کے تحت اِس کی شق (ز) میں مملکت کی درجِ ذیل اہم ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے:

"عصمت فروشی، قمار بازی اور ضرر رساں ادویات کے استعمال، فحش ادب اور اِشتہارات کی طباعت، نشر و اشاعت اور نمائش کی روک تھام کرے گی۔

(www.na.gov.pk/publications/constitution.pdf)"۔

جدید مارکیٹنگ زیادہ تر دھوکے پر مبنی اُصول پر چل رہی ہے جبکہ دین میں ایسی مارکیٹنگ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب کچھ نجش میں شامل ہے اور رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے نجش کو ناجائز قرار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں کہ ناجش دراصل سود خور ہے کیونکہ دھوکہ کے ذریعے سے جو زائد رقم وہ لیتا ہے، وہ حقیقت میں بغیر کسی عوض کے ہوتا ہے لہٰذا یہ سود کی مانند ہو گیا کہ اس میں بھی زائد رقم بغیر عوض کے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے نجش کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک حدیث مبارک یہ بھی ہے کہ تم ایک دوسرے سے نجش نہ کرو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نجش صرف فروخت کنندہ کی جانب سے نہیں ہوتا بلکہ یہ خریدار سے بھی ہو سکتا ہے۔ اِس کی صورت یہ ہے کہ بہت سارے

خریدار مل کر کسی شئے کی قیمت کو دھوکے کے ساتھ اِس طرح گھٹا دیں کہ فروخت کنندہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی شئے کم قیمت میں فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ صورتِ حال عام طور پر اسٹیٹ ایجنٹ کے کاروبار میں نظر آتی ہے۔ جہاں ایجنٹ انتہائی چالاکی سے اشیاء کی قیمتوں پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔

دھوکہ دہی پر مبنی آج کی جدید تجارت کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا فرمان کہ تاجر قیامت کے دن فاجر وفاسق کی حیثیت سے اُٹھیں گے، کا مطلب کیا ہے؟ دھوکہ دہی سے کاروبار کرنے والے مسلمان تاجر! ذرا سوچیں تو صحیح کہ وہ کیا کر رہے ہیں، تھوڑے سے دنیاوی نفع کی خاطر دنیا میں رسوائی اور آخرت کا عذاب خرید رہے ہیں۔ ذہن میں رکھیں کہ قرآن مجید نے فحاشی وعریانیت کے پھیلاؤ کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو جو فحاشی وعریانیت معاشرے میں پھیلاتے ہیں، انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ دردناک عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔ آیئے تجارت کو اسلامی اُصولوں کے مطابق کریں، اِس سے نہ صرف کاروبار میں برکت ہوگی بلکہ آخرت کی کامیابی بھی حاصل ہوگی۔

حدیث نمبر:15

عیب (defect) ظاہر کئے بغیر چیز فروخت کرنے والے کی مذمّت وسزا

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلَّی اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ: مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ

ترجمہ:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کوئی عیب دار چیز کسی کے ہاتھ

فروخت کی اور خریدار پر عیب کو ظاہر نہیں کیا تو اُس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہمیشہ اُس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

تخریج: (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ، رقم الحدیث: 2332)

تشریح:

دھوکہ ایک ایسا قبیح اور ناپسندیدہ عمل ہے، جسے ہرصورت میں اِسلام نے ناجائز و حرام قرار دیا ہے اور اِس کے کرنے والوں کی شدید الفاظ میں مذمّت بیان کی ہے۔ ویسے تو دھوکہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں جائز نہیں لیکن لین دین اور خرید وفروخت کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ اِس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ زیرِ مطالعہ حدیثِ مبارک بھی دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ فروخت کنندہ اپنے خریدار کی کم علمی اور سادہ پن سے فائدہ اُٹھا کر اور اِس خوف سے کہ اگر اصلیت خریدار کو بتادی جائے تو وہ مال نہیں خریدے گا، اپنی ناقص اور عیب دار چیز فروخت کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے خریدار کو نہ صرف مالی نقصان بلکہ ذہنی کوفت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ اسلام کا یہ بنیادی اُصول ہے کہ **لا ضـــرر ولا ضـــرار** یعنی نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ ہی کسی سے نقصان اُٹھاؤ۔ اور چونکہ کسی شے کے عیب کو ظاہر کئے بغیر فروخت کرنا دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے لہٰذا اِسے ناجائز قرار دیا گیا اور ایسا کرنے والے کو یہ وعید سنائی گئی کہ اُس پر اللہ تعالیٰ غضب فرماتا رہے گا اور ایسے شخص پر حق تعالیٰ کے مقرّب فرشتوں کی لعنت برستی رہے گی۔ ایک مسلمان کے لئے اِس سے بڑھ کر تازیانہ اور کیا ہوگا کہ اُس کا ربّ اُس سے ناراض ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ناراضی اور غضب سے محفوظ و مامون فرمائے، (اٰمین بجاہِ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم)۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا کہ ایک

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی سے کوئی عیب دار چیز فروخت کرے تو عیب ظاہر کئے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ایک غلّے کی ڈھیری کے پاس سے گزرے تو اُس ڈھیری میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو اُس میں تری محسوس کی۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فروخت کنندہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم یہ بارش کے پانی سے بھیگ گئی ہے۔ اِس پر رسولِ پاک نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے اِسے اُوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ دیکھ لیتے، سن لو کہ جو کسی کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ اِن احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مالِ تجارت میں کسی قسم کا عیب ہو، تو فروخت کنندہ پر یہ واجب ہے کہ وہ خریدار کو اُس عیب سے آگاہ کردے اور اُس کا چھپانا ناجائز و حرام ہے۔ لہٰذا اگر فروخت کنندہ دھوکہ دینے میں کامیاب بھی ہوگیا تو اِس تجارت سے حاصل کردہ منافع اُس کے لئے حلال و طیب نہیں ہوگا بلکہ حرام شمار کیا جائے گا، جس کی وجہ سے دنیا میں برکت ختم ہو جائیگی اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کاروباری نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو دھوکہ دینا خود فروخت کنندہ کے لئے ہی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ وہ کسی کو چند مرتبہ ہی دھوکہ دے سکتا ہے اور بالآخر خریدار جب اُس کی دھوکہ دہی سے واقف ہوتا ہے، تو پھر نہ صرف فروخت کنندہ شرمندہ ہوتا ہے بلکہ مارکیٹ میں اُس کی نیک نامی متاثر ہوتی ہے اور خریدار آئندہ کے لئے اُس سے معاملہ کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ لہٰذا اُسے تھوڑے سے وقتی فائدے کے عوض ہمیشہ کا نقصان مل جاتا ہے۔

عقلمند تاجر وہ ہوتا ہے، جو پائیدار فائدے کو وقتی فائدے پر ترجیح دیتا ہے۔

فقہاءِ کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنی کسی شے کو اُس کے عیب

کو ظاہر کیے بغیر فروخت کر دیا تو عیب کے ظاہر ہونے کے بعد خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو اُسی قیمت پر مال رکھ لے یا پھر وہ مال واپس کر کے اپنے پیسے واپس لے لے۔ خریدار کے اِس اختیار کو اِصطلاح میں "خیارِ عیب (option of defect)" کہا جاتا ہے۔ اِس کی مکمل تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ یہاں چند اہم اور بنیادی معلومات فراہم کی جارہی ہے کیونکہ اکثر مسلمان شریعت کی طرف سے دی گئی اِس رعایت کا کچھ علم نہیں رکھتے لہٰذا اِس کی وجہ سے کئی مسائل جنم لیتے ہیں۔ وہ شرائط درجِ ذیل ہیں:

۱۔ شیئ میں وہ نقص یا عیب خرید و فروخت کے معاہدے کے وقت موجود ہو یا معاہدے کے بعد خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے پیدا ہوا اگر قبضے کے بعد پیدا ہوتا تو پھر خریدار کو سودا منسوخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۲۔ اسی طرح خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد بھی وہ عیب باقی رہے اگر قبضے کے بعد عیب ختم ہوگیا تو پھر خیار (option) حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ خریدار کو قبضہ کے وقت عیب کا علم نہ ہو، اگر عیب جاننے کے باوجود قبضہ لے لیا تو خیار عیب حاصل نہ ہوگا۔

۴۔ فروخت کنندہ (seller) نے عیب سے برأت نہ کی ہو، اگر اس نے کہہ دیا کہ میں اس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں تو خیار ثابت نہیں۔

خرید و فروخت کے معاملے میں فریقین کو ہر قسم کی دھوکہ دہی اور نقصان سے بچانے کے لئے شریعت نے خیارِ عیب کے علاوہ کچھ اور بھی خیار دیئے ہیں، جن کو اِختصار کے ساتھ تحریر کیا جارہا ہے:

خیارِ شرط (optional condition): اِصطلاحِ شرع میں خیارِ شرط سے مراد یہ ہے کہ فروخت کنندہ اپنی کوئی شیئ اِس شرط پر بیچے یا خریدار اس شرط پر خریدے کہ مجھے

اختیار ہے کہ معاملے کو قائم رکھوں یا فسخ (cancel) کردوں۔فریقین کا یہ اختیار ''خیارِ شرط'' کہلاتا ہے۔اِس میں اختیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے اور کم سے کم کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس مدت کے اندر ایک یا دونوں (جسے خیار حاصل ہے)معاملۂ خرید وفروخت کو منسوخ (Cancel) کرسکتے ہیں، جبکہ مقررہ مدت گزر جانے کے بعد معاملہ لازم ہوجاتا ہے اور فریقین میں سے کسی کے پاس معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔خیارِ شرط کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ عقد (contract) کے وقت ہی خیار کا ذکر کیا جائے بلکہ عقد کے مکمل ہوجانے کے بعد بھی دونوں نے یا کسی ایک نے خیار کا کہہ دیا تو خیار حاصل ہوجائے گا۔البتہ عقد کے منعقد ہونے سے پہلے خیار کی شرط لگانا باطل ہے۔

صاحب ہدایہ نے خیارِ شرط کے جواز پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث سے دلیل دی ہے کہ حضرت حبان بن منقذ بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرید وفروخت کے معاملات میں (اپنی ذہنی کمزوری کی وجہ سے اکثر) نقصان اُٹھالیا کرتے تھے،لہٰذا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے کہا کہ جب کبھی بھی تم خرید وفروخت کا معاملہ کرو،تو کہہ دیا کرو کہ میری طرف سے دھوکا نہیں ہے یا میرے ساتھ دھوکا نہ کیا جائے اور مجھے تین دن تک خیار حاصل ہے،(ہدایہ اخیرین،جلدِ دوم،باب خیار الشرط)۔اِس حدیث مبارک سے نہ صرف خیار کے جواز بلکہ اِس کی زیادہ سے زیادہ مدّت کا بھی پتا چلتا ہے۔اِسی طرح حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:**الخیار ثلثة ایام** یعنی خیار (option) تین دن تک ہے،(کنز العمال،باب بیع الخیارِ،جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۱)۔

خیارِ رؤیت (option to inspect): خیارِ رویت سے مراد یہ ہے کہ اگر خریدار کسی چیز کو بغیر دیکھے خرید لے اور یہ شرط عائد کرے کہ دیکھنے کے بعد اگر مال پسند نہ آیا تو وہ

نہیں خریدے گا، خریدار کے اس اختیار کو "خیارِ رویت" کہتے ہیں۔خیارِ رویت کے لئے کسی وقت کی تحدید نہیں ہے، بلکہ خریدار جس وقت دیکھے گا، اسے فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے۔لیکن ایک مرتبہ رضامندی یا مال پر تصرف کے بعد خریدار کا یہ اختیار ختم ہوجاتا ہے۔حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: **من اشتریٰ شیئا لم یرہ فھو با لخیار اذ راہ ان شاء أخذہ و ان شاء ترکہ** ترجمہ: "جس نے ایسی چیز خریدی، جسے دیکھا نہ ہو، تو دیکھنے کے بعد اُسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے یعنی سودا نافذ کردے یا فسخ کردے" (سنن دارقطنی: 6/3، سنن بیہقی: 268/5)۔

خیارِ وصف (option for description): اگر فروخت کنندہ نے اپنی شے کسی سے فروخت کرتے وقت مبیع (commodity/objcet) کی خصوصیات بیان کیں اور بعد میں وہ خصوصیات مبیع میں نہ پائی جائیں تو خریدار کو اختیار ہے کہ وہ معاہدہ فسخ کردے، خریدار کے اس اختیار کو "خیارِ وصف" کہتے ہیں۔مثلاً کسی نے اپنی گائے بیچی اور کہا کہ یہ دودھ دیتی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے یا کسی نے رات کے وقت کوئی چیز فروخت کی اور کہا کہ اس کا رنگ سبز ہے، صبح معلوم ہوا کہ رنگ سرخ ہے تو ان صورتوں میں مشتری مبیع واپس کرسکتا ہے۔

حدیث نمبر: 16

غیر موجود چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت

عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: نَھَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِیْ

ترجمہ:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے مجھے اِس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے، میں اُس کی فروخت کا کسی سے معاملہ کروں۔

تخریج: (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک، رقم الحدیث:1278)

(مسندِ امام احمد بن حنبل، مسند حکیم بن حزام، رقم الحدیث:15707)

تشریح:

اِس حدیث مبارک میں خرید و فروخت کا ایک اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جارہی ہے، اُس کا وجود معاہدے کے وقت پایا جانا ضروری ہے۔ کوئی بھی ایسی شے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی یا جس کا وجود نہیں ہے یا وجود تو ہے لیکن اُس پر قبضہ دینا ممکن نہیں، اُسے فروخت کرنا منع ہے۔ اِس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود شے یا ناقابل قبضہ شے کو فروخت کرنے کی وجہ سے فریقین کے درمیان مستقبل میں تنازع پیدا ہوسکتا ہے لہٰذا شریعت نے خرید و فروخت میں ایسے تمام معاملات سے روک دیا ہے۔

اِس حوالے سے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک عمومی حدیث بھی اہم ہے، جس میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے غرر (uncertainty) کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غرر سے کیا مراد ہے، اِس میں کون کون سے صورتیں شامل ہیں وغیرہ۔ غرر دراصل عربی میں دھوکہ، غیر یقینی کیفیت اور خطرے کو کہتے ہیں اور جب اِس کا استعمال خرید و فروخت کے معاملے میں کیا جاتا ہے تو اِس سے مراد ہر وہ معاملہ ہے جس میں دھوکے کا عنصر موجود ہے اور جس کی وجہ سے فریقین میں سے دونوں یا کوئی ایک

غیر یقینی کیفیت یا پوشیدگی سے دو چار ہو جائے یعنی اُسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اِس معاملے کا نتیجہ کیا آنے والا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں غرر یعنی غیر یقینی صورتِ حال پر مبنی خرید و فروخت کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔ مثلاً جانور کے پیٹ میں بچے کو پیدائش سے قبل بیچ دینا، درخت میں پھل کے آنے سے پہلے فروخت کر دینا، سامانِ تجارت کو صرف چھو دینے سے مال کا فروخت ہو جانا، دودھ دینے والے جانور کا دودھ دوہنے سے پہلے فروخت کرنا، اور ناپ تول کے بغیر صرف اندازے سے شئے کو فروخت کرنا وغیرہ۔ چونکہ اِن تمام معاملات میں غرر موجود ہے مثلاً پہلی صورت میں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ، اِسی طرح درخت میں اِس سال پھل آئے گا بھی یا نہیں اور اگر آئے گا تو اُس کی مقدار کتنی ہوگی، اِسی طرح جس مال کو خریدار نے ہاتھ لگایا ہے وہ ناقص ہے یا درست وغیرہ۔ اِن تمام صورتوں میں فریقین کے درمیان تنازع کا پیدا ہونا یقینی ہوتا ہے لہٰذا رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خرید و فروخت کی ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دے دیا۔

فقہاءِ اُمت نے درجِ ذیل غرر کی موجودگی میں بھی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے:

(1) شے کی جنس کے بارے میں لاعلمی کہ وہ چاول ہے یا گندم، (2) نوع (kinds) کے بارے میں لاعلمی مثلاً وہ باسمتی چاول ہے یا عام چاول (3) معیار (quality) کے بارے میں لاعلمی جیسے اعلیٰ معیار کا ہے کہ کم معیار کا (4) مقدار (quantity) کے بارے میں لاعلمی (5) ادھار فروخت (deferred sale) میں ادائیگی کے وقت کے بارے میں لاعلمی وغیرہ۔

عصرِ حاضر میں خرید و فروخت کے متعدد معاملات ایسے ہیں، جن میں غرر پایا جاتا

ہے لیکن اِس کے باوجود لوگوں کے درمیان مروّج ہیں۔ جیسے فلیٹ کی خرید وفروخت ہے، فلیٹ کے تعمیر ہونے سے پہلے تمام تر تفصیلات کے ساتھ جو آرڈر دیا جاتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ استصناع (مال تیار کرنے کا آرڈر) کی صورت ہے، جو شریعت میں جائز ہے۔ لیکن آرڈر کے بعد فلیٹ کو کسی تیسرے شخص کو اُس وقت تک فروخت نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ وہ تعمیر نہ ہو جائے اور تعمیر ہو جانے کے بعد اُس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر پہلا شخص جب فلیٹ کی تعمیر کا آرڈر دے دیتا ہے اور قسط کی ادائیگی شروع ہو جاتی ہے تو چند قسطوں کی ادائیگی کے بعد مارکیٹ میں فلیٹ کی قدر بڑھنے کی وجہ سے زیادہ منافع پر آگے کسی شخص یا ادارے کو فروخت کر دیتا ہے۔ حالانکہ ابھی فلیٹ تیار نہیں ہوا اور اگر ہو گیا تو اِس پر قبضہ نہیں ملا لہٰذا غرر کی موجودگی کی وجہ سے یہ درست نہیں ہے۔

اسی طرح دیہاتوں میں درخت کے پھلوں کو اگلے چار یا پانچ سالوں کے لئے فروخت کرنا عام ہے، یہ شرعاً جائز نہیں۔ بازاروں میں خرید وفروخت اِس طرح بھی ہوتی ہے کہ صرف مال کا آرڈر دے کر قبضہ کئے بغیر آگے فروخت کر دیا جاتا ہے اور اِس طرح پہلے شخص کے پاس مال کے آنے سے پہلے ہی وہ کتنے لوگوں سے فروخت ہو جاتا ہے۔ اسٹاک ایکسچینج (stock exchange) میں حصص کے لین دین میں بھی شریعت کے اِس اُصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح کھیت بٹائی پر اِس شرط کے ساتھ دے دیا جاتا ہے کہ کل پیداوار میں سے ایک من یا دو من وغیرہ زمیندار کے ہوں گے باقی کاشتکار کے۔ یہ بھی جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کھیت میں اناج پیدا ہی نہ ہو اور یا صرف ایک من یا دو من ہی پیدا ہو۔ دونوں صورتوں میں کاشتکار کا نقصان ہوگا اور فریقین میں تنازع پیدا ہو جائے گا۔ البتہ اِس میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ جو بھی پیداوار ہوگی اُس میں طے شدہ تناسب یا فیصد سے زمیندار اور کاشتکار حصہ دار ہونگے۔

حدیث نمبر:17

حرام اَشیاء کی خرید وفروخت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلَ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ:اِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کر دی ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام، رقم الحدیث:4132)

تشریح:

اِس حدیث مبارک میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے جن اشیاء کو حرام وممنوع قرار دیا ہے، اُن کی خرید وفروخت بھی حرام وممنوع ہے۔حرام اشیاء میں سے خاص طور پر اُمُّ الخبائث اور تمام برائیوں کی جڑ شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔احادیثِ مبارکہ میں نہ صرف شراب پینے والے بلکہ اِس کے فروخت کرنے والے اور خرید وفروخت کے معاملے میں کسی بھی حیثیت سے شامل ہونے والوں کو بھی وعید سنائی گئی ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور وہ (یہ ہیں) شراب نچوڑنے والا، نچڑوانے والا، پینے والا، اُٹھانے والا، جس کے پاس لے جائی جا رہی ہے، پلانے والا، بیچنے والا، اس

کی قیمت کھانے والا، اس کو خریدنے والا اور جس کے لئے وہ خریدی جارہی ہے، (کتاب البیوع، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا)۔

حرام کردہ اشیاء کی تجارت سے روکنے کی متعدد حکمتیں ہوسکتی ہیں، جن میں سے چندایک قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں:

اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق و مالک ہے لہٰذا اُسے بخوبی معلوم ہے کہ کن اشیاء میں انسانوں کے لئے فائدے ہیں اور کن میں نہیں؟ لہٰذا اُس نے اپنے ہر شئے کا احاطہ کرنے والے علم سے اپنے بندوں کو نقصان دہ اشیاء کے استعمال سے منع کردیا۔اور اِن اشیاء کے فروغ کو ختم کرنے کے لئے اِن کی خرید وفروخت کو بھی حرام قرار دے دیا۔ کیونکہ اگر اِن کی خریدوفروخت کی اِجازت دی جاتی تو پھر یہ بازار میں بآسانی دستیاب ہوتیں اور ہرایک کی اُن تک رسائی ممکن ہوجاتی ۔حرام اشیاء کی خریدوفروخت کی حوصلہ شکنی کی خاطر ایک اور حدیثِ مبارک میں تو یہاں تک بتادیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اُس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے، (احمد، ابوداؤد)۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِس حدیث مبارک میں عمل کرتے ہوئے ہر زمانے میں باعمل اور صالح مسلمان حکمرانوں نے حرام اشیاء کی خریدوفروخت پر پابندی عائد کی خاص طور پر شراب کی خریدوفروخت پر سخت سے سخت قوانین بنائے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو قرارواقعی سزادی لیکن آج اُس ملک میں جسے اِسلام کے مقدّس نام پر حاصل کیا گیا اور جس کا مطلب ہی **لاالٰہ الا اللہ** کے قانون کا نفاذ تھا، اُس میں اِس اُم الخبائث اور دیگر حرام اشیاء کی خریدوفروخت بلاخوف کی جارہی ہے۔ پاکستان جس کی آبادی کا کم وبیش **97** فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے، اِس ملک کے آئین میں واضح طور پر یہ درج ہے کہ مملکت میں کوئی بھی ایسے کام کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی، جو شریعت سے متصادم ہو۔تاریخ کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ 1977ء میں ملک بھر میں شراب خانوں اور کلبوں پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔لیکن اس کے باوجود پورے ملک میں سینکڑوں نہیں ہزاروں شراب خانے بلاخوف وخطر لوگوں کے جسموں میں شراب انڈیل رہے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اسلامی بلکہ ملکی قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی کے مرتکب بھی ہورہے ہے۔ملک میں شراب خانوں کے ہونے کا ثبوت روزانہ زہریلی شراب پی کر مرنے والوں سے ملتا ہے۔چند سال قبل رمضان المبارک جیسے مقدس ومکرّم مہینے میں ساٹھ سے زائد لوگ زہریلی شراب پی کر موت کے منہ میں جا پہنچے تھے۔" **الامان و الحفیظ** "اللہ تعالیٰ ایسی موت سے ہر مسلمان کومحفوظ و مامون فرمائے ،(امین)۔

حدیث نمبر 18

بیع سلم (sale on advance payment) اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَاقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ: مَنْ اَسْلَفَ فِيْ تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلیٰ اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ

ترجمہ:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ (اہلِ مدینہ) پھلوں میں ایک سال اور دو سال کے لئے بیع سلف کیا کرتے تھے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو کھجور میں سلم کرے تو اُسے چاہئے کہ معلوم کیل ،وزن اور مبیع (subject matter) کی سپردگی (delivery) کا وقت عقدِ

سلم میں طے کرے(تاکہ بعد میں کوئی نزاع پیدا نہ ہو)۔

تخریج: (صحیح مسلم،کتاب المساقاۃ،باب السلم،رقم الحدیث:4202)
(سنن ابی داؤد،کتاب الاجارۃ،باب فی السلف،رقم الحدیث:3465)

تشریح:

اِس حدیث مبارک میں خرید وفروخت کی ایک استثنائی صورت اور اُس کے جواز کی شرائط بیان کی جارہی ہے۔خرید وفروخت کی اِس استثائی صورت کو''بیع سلم''اور''بیع سلف''کہا جاتا ہے۔عام خرید وفروخت میں شرعی اعتبار سے یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ معاہدے کے وقت فروخت کی جانے والی شئے موجود ہو یعنی کوئی بھی ایسی چیز جس کا وجود نہیں ہے،اُسے فروخت کرنا یا خریدنا جائز نہیں کیونکہ اِس میں اِس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ وہ شئے پیدا ہی نہ ہو یا پیدا تو ہوجائے لیکن مقدار میں کم ہو، اِن تمام صورتوں میں فریقین کے درمیان تنازع پیدا ہوجانے کا قوی امکان موجود ہے۔لیکن بیع سلم خرید وفروخت کا ایک ایسا معاملہ ہے،جس کے تحت مستقبل میں پیدا ہونے والی شئے کو نقد قیمت پر فروخت کردیا جاتا ہے اور شئے کی حوالگی بعد میں طے شدہ تاریخ پر ہوتی ہے جبکہ معدوم شئے کی خرید وفروخت میں پائے جانے والی خرابیوں کو دور کرنے اور مستقبل میں فریقین کو کسی بھی قسم کے تنازع سے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت نے کڑی شرائط عائد کردی ہیں،جن کی پابندی ضروری ہے۔بیع سلم کا جواز کا ثبوت نہ صرف حدیثِ مبارک میں ہے بلکہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 282 کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پورے وثوق سے فرمایا کہ قرآنِ مجید کی سب سے طویل آیتِ مداینہ(وہ آیتِ کریمہ ،جس میں اُدھار معاملات کے بارمے میں احکام بیان کئے گئے ہیں) بیع سلم کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

آیتِ مُداینہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ () ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدّت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اِسے لکھ لیا کرو۔(سورۂ بقرہ، آیت:282)''۔

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں بیع سلم کی مشروعیت کی وجہ اور شرائط کو رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے بیان فرمادیا ہے۔اِس کی مشروعیت کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسان کے پاس زمین ہوتی ہے لیکن کاشتکاری کے لئے اخراجات نہیں ہوتے، اسی طرح کسی کے پاس ہنر تو ہوتا ہے لیکن شے تیار کرنے لئے رقم نہیں ہوتی تو شریعت نے اِس ضرورت کے تحت بیع سلم کی صورت میں معدوم شے کی خرید وفروخت کی اجازت دے دی تاکہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے وہ کاروبارِ زندگی میں دوسروں سے پیچھے نہ رہیں، بلکہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ملک وقوم کی معاشی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔بیع سلم کے ذریعے چھوٹے کسانوں اور کاروباری حضرات کو آسان شرائط پر یہ سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔اس بیع کی وجہ سے نہ صرف تاجروں اور کسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے کہ انہیں پیشگی رقم مل جاتی ہے اور وہ اپنی مطلوبہ اشیاء اس رقم سے حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اس سے خریدار کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔وہ اس طرح کہ عام طور پر بیع سلم کی صورت میں مبیع کی قیمت اس جیسی شے کی بازاری قیمت سے کم ہوتی ہے لہٰذا خریدار کم قیمت پر اشیاء خرید کر زیادہ منافع حاصل کرتا ہے۔واضح رہے کہ اگرچہ بیع سلم کی اجازت کسان اور چھوٹے کاروباری حضرات کے فائدے کے لئے دی گئی ہے تاہم اگر دوسرے کاروباری حضرات بھی اِس بیع کو کرنا چاہیں تو شرائط کو مدِّنظر رکھ کر کر سکتے ہیں۔

بیع سلم چونکہ عام بیع سے ذرا مختلف ہے اور اس کی اجازت نظریۂ ضرورت وحرج

کے تحت دی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس کی درستگی کے لئے شریعتِ مطہرہ نے کچھ کڑی شرائط عائد کی ہیں، جن کو پورا کرنا ازحد ضروری ہے اوران شرائط کی عدم موجودگی میں بیع سلم درست نہ ہوگی۔ ذیل میں ان شرائط کو اِجمالاً بیان کیا جارہا ہے:

(1) بیع سلم کی درستگی کی اولین شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ **(commodity)** کی پوری قیمت معاہدہ کے وقت ادا کی جائے۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ کچھ قیمت معاہدہ کے وقت ادا کردی جائے اور کچھ بعد میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع سلم کا مقصد فوت ہوجایئگا کیونکہ اس کا مقصد چھوٹے کاروباری حضرات کو پیشگی رقم دے کر انہیں کاروبار کرنے کے قابل بنانا ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ فروخت کنندہ کو پیشگی پوری قیمت دے دی جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع سلم میں چونکہ مسلم فیہ مستقبل کی کسی تاریخ میں دیا جاتا ہے گویا وہ فروخت کنندہ پر قرض ہوتا ہے لہٰذا اگر رقم بھی روک لی جائے تو وہ بھی قرض کی صورت میں بعد میں ادا کی جائیگی اس طرح یہ عمل قرض کے بدلے قرض کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوجایئگا۔ حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے **بیع الدّین بالدّین** (قرض کے بدلے قرض کو فروخت کرنا) سے منع کیا ہے۔

(2) اسی طرح بیع سلم کے جائز اور درست ہونے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ مسلم فیہ کی جنس ،کوالٹی، نوعیت اور مقدار کا ذکر واضح طور پر معاہدہ میں کرلیا جائے، تاکہ حوالگی **(delivery)** کے وقت فریقین میں مسلم فیہ کے بارے میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔

(3) بیع سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم الیہ (خریدار) کو مسلم فیہ کی سپردگی کے وقت اور مقام کی بھی وضاحت کی جائے کیونکہ اس کے بغیر بیع سلم درست نہیں۔

(4) بیع سلم صرف مکیلات (ماپ کر بیچی جانے والی اشیاء)، موزونات (وزن کر کے بیچی جانے والی اشیاء) اور مذروعات (گز کے حساب سے فروخت ہونے والی اشیاء) میں ہو

سکتی ہے۔

(5) بیع سلم کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ معاہدہ کے وقت سے لے کر سپردگی (delivery) کے وقت تک مارکیٹ میں دستیاب ہو، لیکن یہ احناف کا مؤقف ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاءِ کرام کے نزدیک صرف سپردگی کے وقت اس کا مارکیٹ میں دستیاب ہونا ضروری ہے۔ علماءِ معاصرین نظریہ ضرورت کے تحت دوسرے قول پر عمل کرتے ہوئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ مسلم فیہ کا سپردگی کے وقت بازار میں ہونا ضروری ہے۔

۶۔ بیع سلم کے جائز ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ (commodity) کا ثمن (agreed price) مجلسِ عقد میں ہی ادا کر دیا جائے۔ اگر فریقین ثمن کی ادائیگی سے قبل جدا ہو جائیں تو بیع سلم کا معاہدہ منسوخ ہو جائیگا۔

صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بیع سلم کی شرائط کو جامعیت کے ساتھ ہدایہ میں بیان فرمایا ہے، جن کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے تاکہ تفصیلی شرائط کے ساتھ مختصراً بھی سمجھا جا سکے:

☆ جنس معلوم ہو جیسے گندم ہے یا جو۔ ☆ نوع (kinds) معلوم ہو جیسے باسمتی چاول ہے یا عام۔

☆ صفت (description) معلوم ہو جیسے نیا ہے یا پرانا۔

☆ مقدار (quantity) معلوم ہو جیسے معروف پیمانے سے اتنے کیل یا اس قدر وزن۔

☆ میعاد (time period) معلوم ہو جیسے 13 دسمبر کو مال حوالے کیا جائیگا۔

☆ قیمت معلوم ہو ☆ مقام کا تعین یعنی مال کس جگہ حوالے کیا جائے گا۔

حدیث نمبر 19

اِستصناع (sale by order to manufacture) کے ذریعے خرید وفروخت

عَنْ اَبُوْحَازِمِ بْنِ دِیْنَارٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِیّ وَ قَدِ امْتَرَوْا فِی الْمِنْبَرِ مِمَّ عُوْدُهُ ؟فَسَاَلُوْهُ عَنْ ذَالِکَ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَاَیْتُهُ اَوَّلَ یَوْمٍ وُضِعَ و اَوَّلَ یَوْمٍ جَلَسَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی فَلَانَةِ امْرَاَةٍمِنَ الْاَنْصَارِ قَدْسَمَّاهَا سَهْلٌ : مُرِیْ غُلَامَکِ النَّجَّارَ اَنْ یَّعْمَلَ لِیْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَیْهِنَّ اِذَا کَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَمَرَ بِهَافَوُضِعَتْ هَا هُنَاثُمَّ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلَیْهَا وَ کَبَّرَ وَهُوَعَلَیْهَا ثُمَّ رَکَعَ وَ هُوَ عَلَیْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰی فَسَجَدَ فِیْ اَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ اَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاتَمُّوْا بِیْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِیْ

ترجمہ:

حضرت ابوحازم بن دینار سے مروی ہے کہ کچھ لوگ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور وہ اِس میں بحث کر رہے تھے کہ منبر کون سی لکڑی کا تھا، اُنہوں نے حضرت سہل سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضرت سہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور پہچانتا ہوں، وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا اور بے شک میں نے اس کو دیکھا، جب پہلے دن اس کو رکھا گیا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے

پاس کسی کو بھیجا۔ سہل نے اُس عورت کا نام لیا(آپ نے اس سے فرمایا:) تم اپنے بیٹے کو حکم دو، جو بڑھئی ہے کہ وہ میرے لئے سیڑھیوں پر مشتمل منبر بنادے، جس پر میں اُس وقت بیٹھوں، جب میں لوگوں سے کلام کروں۔ اُس عورت نے اپنے بیٹے کو حکم دیا پس اُس نے ساگوان کی لکڑی سے وہ منبر بنادیا۔ پس اُس عورت نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کو اس جگہ رکھ دیا گیا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس منبر پر رکوع کیا، پھر آپ منبر سے اُتر کر پچھلے پیروں پر لوٹے، پھر آپ نے منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر آپ نے اسی طرح (دوسری رکعت پڑھائی) پھر جب آپ نماز پڑھا کر فارغ ہوگئے، تو آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لوگو! میں نے یہ نماز اس لئے پڑھائی ہے تا کہ تم میری اِقتدا ء کرو اور تم میرے نماز کے طریقہ کو جان لو۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر، رقم الحدیث:917)

تشریح:

درجِ بالا حدیث شریف سے استصناع کا ثبوت ملتا ہے۔ اِستصناع کا لغوی معنی ہے: ''کسی چیز کو تیار کرنے کا مطالبہ کرنا''، جبکہ شرعی اعتبار سے اِستصناع سے مراد خرید وفروخت کا ایسا عقد ہے، جس کے تحت کسی شئے کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خرید لیا جائے اور اُس کی تیاری کا آرڈر دے دیا جائے۔ اِستصناع میں خریدار اپنے فروخت کنندہ کو پہلے سے بیان کردہ خصوصیات کی حامل شئے تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے۔ مال کی تیاری سے قبل ہی قیمت کا تعین، صفات و تعداد وغیرہ کا معاہدہ کرلیا جاتا ہے، تا کہ بعد میں فریقین کے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

اِستصناع چونکہ مستقبل میں تیار ہونے والی شے کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے لہٰذا خرید وفروخت کے عمومی اُصول کے تحت اِسے ناجائز ہونا چاہیے لیکن شریعتِ مطہرہ نے لوگوں کے تعامل اور استحسان کی وجہ سے بیع سلم کی طرح اِسے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور با قاعدہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنتِ فعلی سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ زیرِ بحث حدیث مبارک سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔ اِس کے علاوہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی انگوٹھی مبارک بھی آرڈر دے کر بنوائی یعنی استصناع کے تحت بنوائی۔

بیع سلم اور استصناع بنیادی طور پر غیر موجود شے کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے لیکن اِن میں بنیادی اعتبار سے تین اہم فرق ہیں، ایک یہ ہے کہ سلم میں شئے کی پوری قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ اِستصناع میں ایسی کوئی شرط نہیں، خریدار چاہے تو جزوی قیمت ادا کر دے اور باقی مال کی حوالگی کے وقت یا جو بھی ادائیگی کا شیڈول (schedule) فریقین میں طے پائے اور چاہے تو پوری قیمت معاہدے کے وقت ادا کر دے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ استصناع اُن چیزوں کا ہوتا ہے، جنہیں تیار کیا جاتا ہے مثلاً کرسیاں، عمارت اور جوتے وغیرہ بنوانا۔ جبکہ سلم ہر قسم کی زرعی و غیر زرعی اشیاء میں ہوسکتا ہے۔ البتہ سونا و چاندی میں یہ نہیں ہوسکتا۔ تیسرا فرق اِن دونوں کے درمیان یہ بھی ہے کہ سلم کا ایک دفعہ معاہدہ ہو جانے کے بعد فریقین یکطرفہ اِسے منسوخ نہیں کر سکتے بلکہ معاہدے کو منسوخ کرنے کے لئے فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ جبکہ اِستصناع میں معاہدے کے بعد مگر کام کی ابتداء کرنے سے پہلے اِسے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم مال کی تیاری کے شروع ہو جانے کے بعد معاہدے کو منسوخ کرنے کے لئے فریقین کا باہم رضامند ہونا ضروری ہے۔

اِسی طرح استصناع اور اجارۃ الخدمت (service Ijarah) کا فرق بھی ذہن میں رہنا چاہیے کیونکہ بعض لوگ اِن میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اِستصناع اور اِجارہ

میں فرق یہ ہے کہ اِستصناع میں صانع (تیارکنندہ manufacturer) کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ مصنوع (مطلوبہ شے manufactured goods) کی تیاری میں استعمال ہونے والی تمام چیزوں کا خود انتظام کرے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) سے اُن کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر شے کی تیاری میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی کی ذمہ داری صانع پر نہ ہو بلکہ آرڈر دینے والے کی ہو، تو یہ اِستصناع نہیں بلکہ اِجارہ ہوگا۔ مختصراً اِن دونوں کا فرق یہ ہے کہ اِستصناع میں مال کی تیاری اور خام مال کی فراہمی دونوں صانع کی ذمہ داری ہوتی ہے اِس کے برعکس اِجارہ میں صرف مطلوبہ شے کو تیار کرنا اَجیر کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ تمام ضروری خام مال کی فراہمی آرڈر دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کی مثال درزی سے کپڑے سلوانا ہے کہ کپڑا درزی کا نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے، لیکن اگر کپڑا بھی درزی ہی کا ہو، تو یہ اِجارہ نہیں بلکہ اِستصناع ہے جیسا کہ عام طور پر ویسٹ کوٹ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ آرڈر دے کر پکوان سے کھانے کی دیگیں تیار کرانا بھی اِستصناع ہی ایک صورت ہے۔

ہمارے ہاں اِستصناع کی کئی صورتیں مروج ہیں، جن میں آرڈر پر فرنیچر، فلیٹ، مشینری، پلوں اور شاہراہوں وغیرہ کو تیار کرنا ہے۔ یہ سب پوری دنیا میں رائج ہے، جس سے مجموعی طور پر ہر طبقے کے لوگوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اِستصناع صنعت وحرفت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، کیونکہ اِس طریقۂ کار سے پیشگی ادائیگی کی صورت میں خطیر سرمایہ حاصل ہوسکتا ہے، جس سے طویل المعیاد منصوبہ جات شروع کیے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "**الفقہ الاسلامی و ادلتہ**" میں رقمطراز ہیں کہ اسلامی فقہ کی تاریخ میں اِستصناع کا اِرتقاء مخصوص ضروریات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ ہوا جیسے دستکاری، چمڑے کی مصنوعات، جوتے اور بڑھئی کا کام وغیرہ۔ تاہم

جدید دور میں یہ طریقہ ایسی شکل میں سامنے آیا ہے، جس کی مدد سے مختلف انفرااسٹرکچر اور صنعتی ترقی کی تکمیل ہوسکتی ہے جیسے بحری جہاز، طیارے اور دیگر بڑی مشینریاں تیار کرنا۔ چنانچہ مالیاتی منصوبوں کا دائرہ بڑھنے کے ساتھ مینوفیکچرنگ کے عقود بھی نمایاں طور پر سامنے آنے لگے ہیں۔

اِستصناع کے معاہدے میں صانع کی شرعی اور اَخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ مال خریدار کو دیئے گئے معیار کے مطابق ہو اور وہ بروقت تیار کیا جائے۔ عام مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ آرڈر پر مال تیار کرنے والے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ آرڈر لے لیتے ہیں اور بعد میں نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود بھی پریشان ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درست نہیں ہے۔ اِسی طرح خریدار پر لازم ہے کہ وہ قیمت کی ادائیگی میں پس وپیش سے کام نہ لے بلکہ معاہدے کے مطابق قیمت کی ادائیگی کرے۔

فلیٹ وغیرہ کے اِستصناع میں ایک شرعی خرابی نظر آتی ہے کہ فلیٹ کی تعمیر اور اُس پر قبضہ لینے سے قبل ہی اُسے کسی تیسرے شخص کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔ البتہ حقیقی فروخت (جس میں ایجاب وقبول ہوتا ہے) کرنے کی بجائے، مستقبل میں ملنے والے فلیٹ کو فروخت کرنے کا وعدہ کیا جاسکتا ہے یا الگ سے اِستصناع کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ الگ سے اِستصناع کرنے میں یہ خیال رہے کہ دوسرے معاہدے کو پہلے معاہدے سے مشروط کرنا جائز نہیں ہوگا یعنی یہ کہنا کہ اگر مجھے فلیٹ پر قبضہ مل جائے گا تو میں مذکورہ فلیٹ دوں گا، یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر:20

نیلام(auction/bid)کے ذریعے خرید وفروخت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَ قَدَحًا فَقَالَ مَنْ یَّشْتَرِیْ ھٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ؟ فَقَالَ رَجُلٌ اَخَذْتُھُمَا بِدِرْھَمٍ فَقَالَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ؟ مَنْ یَّزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ ؟فَاَعْطَاہُ رَجُلٌ دِرْھَمَیْنِ فَبَاعَھُمَا مِنْہُ

ترجمہ:

حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ فروخت کرنا چاہا تو فرمایا کہ کوئی شخص ہے، جو یہ ٹاٹ اور پیالہ خریدنا چاہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں۔ نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ کوئی ایک درہم سے زیادہ میں خرید سکتا ہے؟ کوئی ہے جو ایک درہم سے زیادہ میں خرید سکتا ہے؟ تو کسی نے ان دونوں چیزوں کے دو درہم دے دیئے تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اُس کو یہ دونوں (چیزیں) فروخت کردی۔

تخریج: (جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع من یزید، رقم الحدیث:1262)

تشریح:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ شریف میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے عمل سے خرید وفروخت کی ایک جائز صورت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ خرید وفروخت کی اِس صورت کو عربی میں " **بیع من یزید یا مزایدہ**" اور اُردو میں "بولی کے ذریعے خرید وفروخت" کہتے ہیں۔ اِس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز

فروخت کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنا سامان کھلے بازار (open market) میں لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور اُس کو خریدنے کی دعوت دیکر بولی لگاتا ہے۔لوگ مختلف قیمت لگاتے ہیں لہٰذا جو سب سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہوتا ہے، اُس کو سامان فروخت کر دیا جاتا ہے۔ بولی کے ذریعے خرید و فروخت نہ صرف زمانۂ جاہلیت میں بلکہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے زمانۂ مبارک میں بھی رائج رہی۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اِسے عملی طور پر کر کے اِس کے جواز پر ہمیشہ کے لئے مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سے ایک سائل نے جب سوال کیا تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اُسے کچھ دینے کے بجائے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو اُس نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایک چادر اور ایک رسی ہے۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اُس کہا کہ یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔لہٰذا جب دونوں چیزیں پیش کر دی گئیں تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ اِن دونوں کی کیا قیمت دو گے؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ''میں انہیں ایک درہم میں خریدتا ہوں''۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ کوئی اور اِس کی قیمت اِس سے زیادہ قیمت لگائے گا تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں انہیں دو درہم میں لے سکتا ہوں تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں چیزیں دو درہم کے عوض فروخت کر دی۔ اِس حکمتِ عملی سے آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے سائل کو بھکاری بننے سے بچا لیا تو دوسری طرف نیلام کے شرعی جواز کو بھی واضح کر دیا۔

اشیاءِ صرف کی نیلامی چونکہ خرید و فروخت کی ایک منفرد صورت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اِس میں کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے اور ہر کام ایمانداری کے ساتھ سرانجام دیا جائے۔ کیونکہ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ فروخت کنندہ اشیاء کی قیمت کو بڑھانے کے لئے چند لوگوں کو پہلے سے منتخب کر لیتے ہیں، جن کا مقصد خریدنا نہیں ہوتا بلکہ ہر بولی پر قیمت کو مزید

بڑھانا ہوتا ہے، اِس طرح وہ اپنی اشیاء پر بہت زیادہ منافع حاصل کر لیتے ہیں۔اِس کا عملی مظاہرہ بازاروں اور مارکیٹوں میں جا کر دیکھا جا سکتا ہے۔اگر اِس طرح بولی دے کر مال فروخت کیا جائے تو دھوکہ دہی اور غبن فاحش **(major deception)** کے پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہے۔بیع **مَن یزید** میں موجودہ اِن ہی خرابیوں کی وجہ سے لوگوں کا اِس طرح کی خرید وفروخت سے اعتماد اُٹھ چکا ہے حالانکہ اگر اِسے درست طریقے سے کیا جائے تو یہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک سنتِ مبارکہ پر عمل کرنا ہوگا، جو کہ کارِثواب ہے۔

جدید کاروبار میں **بیع من یزید** ٹینڈر **(tender)** کے ذریعے بھی ہورہی ہے اور یہ بہت زیادہ عام ہے۔ٹینڈر کی عام طور پر دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کسی شے کی فروختگی کے لئے اخبارات اور دیگر ذرائع سے عوام کو شے خریدنے کی دعوت دیتا ہے۔دعوت ہی میں اُس شے کے متعلق مکمل معلومات دے دی جاتی ہے اور ایک تاریخ مقرر کردی جاتی ہے کہ فلاں تاریخ تک جس شخص کی طرف سے سب سے زیادہ قیمت کی پیشکش کی جائے گی، شے اُسی کو فروخت کی جائیگی۔یہ تو شے کی فروختگی کا ٹینڈر ہے۔دوسری قسم میں شے کی خریداری کا ٹینڈر دیا جاتا ہے کہ فلاں شے کی ضرورت ہے، جس کی تفصیلات یہ ہیں۔فلاں تاریخ تک سب سے کم قیمت پر یہ شے مہیا کرنے والے سے سودا طے کرلیا جائے گا۔نیلامی یا ٹینڈر کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ ٹینڈر حقیقی بنیاد پر پیش کیا گیا ہو۔کئی دفعہ اداروں کے ذمہ داران کی ملی بھگت سے عوام کی محنت ومشقت کے پیسوں کو ہتھیانے کے لئے فرضی ٹینڈر بھی پیش کردیا جاتا ہے۔اسی طرح بھاری رشوت لے کر اپنے من پسند افراد کو ٹینڈر دے دیا جاتا ہے۔اور یہ ہمارے ہاں عام ہے۔لہٰذا اِس طرح کے معاملات پر مبنی ٹینڈر شرعاً جائز نہیں ہوگا اور چونکہ ٹینڈر جائز نہیں ہے تو اِس سے حاصل شدہ منافع بھی جائز نہیں ہوگا۔

مروجہ ٹینڈر میں کئی دفعہ شریک ہونے والے افراد سے ضمانت کے طور پر کچھ رقم لی جاتی ہے، یہ زرِ ضمانت کہلاتی ہے اور یہ جائز ہے لیکن اِس میں شرط یہ ہے کہ جو افراد ٹینڈر لینے میں ناکام ہوجائیں، اُنہیں اُن کا زرِ ضمانت واپس کردیا جائے اور جو ٹینڈر لینے میں کامیاب ہوجائیں، اُن کا زرِ ضمانت اصل قیمت میں شامل کرلی جائے۔ زرِ ضمانت کو ضبط کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ بعض اداروں کی جانب سے یہ کیا جاتا ہے۔

حدیث نمبر :21

فحبہ گری یا جسم فروشی (Prostitution) کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَ مَھْرِ الْبَغِیِّ وَ حُلْوان لْکَاھِنِ

ترجمہ:

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے کتے کی قیمت لینے اور زِناکاری کی اُجرت سے اور کاہن کی اُجرت سے منع فرمایا۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب کسب البغی والاماء، رقم الحدیث:2282)

(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاھن ومھر البغی، رقم الحدیث:4092)

تشریح:

زمانۂ جاہلیت میں پائی جانے والی بے شمار اَخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ فاحشہ عورتوں کے ذریعے گناہ کے مراکز چلائے جاتے تھے۔ فاحشہ عورتیں شام ڈھلتے ہی بن سنور کر اپنے اپنے مرکز پر بیٹھ جاتیں، ہر فاحشہ اپنے مرکز کے اُوپر علامت کے طور پر جھنڈے لہرا دیتی اور کھلے عام لوگوں کو دعوتِ گناہ دیتیں اور اِس گناہ کے عوض

بھاری رقم لیتی تھیں۔گویا یہ گناہ ایک نفع بخش کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔یہ بدترین گناہ نہ صرف آزاد عورتیں کیا کرتی تھیں بلکہ اپنے بد باطن اور لالچی آقاؤں کے کہنے پر باندیاں بھی یہ گھناؤنا کاروبار کیا کرتی تھیں۔ایسی باندیوں کو باقاعدہ الگ جگہیں دی جاتی تھیں،جنہیں وہ مواخیر کہتے تھے اور جہاں باندیاں آزادی کے ساتھ جسم فروشی کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا کرتی تھیں۔ہر باندی کا قحبہ خانہ اُس کے آقا کے نام سے موسوم ہوتا۔اور سب کچھ اُن کے لئے نہ شرم وحیا کے باعث ہوتے اور نہ ہی اِن کی وجہ سے اُن کی عزت میں کوئی کمی آتی ، بلکہ وہ فخریہ اپنی ایسی باندیوں کا تذکرہ برسرِ محفل کیا کرتے تھے۔بعض لوگوں نے اپنی باندیوں پر یہ ذمہ داری عائد کر دی تھی کہ وہ ایک مخصوص رقم ہر صورت میں اپنے آقا کو ادا کریں۔لہٰذا ایسی باندیاں مطلوبہ رقم کے حصول کے لئے اس گناہ میں مبتلا ہو جاتی تھیں۔قرآنِ مجید میں خصوصی طور پر اُن آقاؤں کے بارے میں آیتِ کریمہ نازل ہوئی، جو اپنی باندیوں سے یہ بُرا فعل جبرًا کرایا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ☆ ترجمہ:اور تمہاری باندیاں اگر پاکدامن رہنا چاہیں تو اُن کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا ، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔(سورۂ نور،آیت نمبر:33)۔جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:"اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔بلکہ مقصد یہ ہے کہ مالک کی طرف سے اِکراہ(coercion) کی یہی صورت ہے کہ لونڈی (female slave) کی مرضی نہ ہو وہ اُس سے دور بھاگے لیکن بے غیرت مالک اِسے ناجائز وحرام

پیشہ کرنے پر مجبور کرے۔ اِس صورت میں ساری ذمہ داری اور سارا گناہ اِس کے مالک پر ہوگا۔لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اِس فعلِ قبیح کا اِرتکاب کرے تو اب جرم اس کا ہوگا اور اِس کا گناہ اور اِس کی سزا بھی اُسے ہی ملے گی یا اس آیت سے ان مالکوں کو غیرت دلانا مقصود ہے کہ تم سے بڑھ کر بھی کوئی دیوث ہوگا کہ تمہاری لونڈی تو عفّت شعار رہنا چاہتی ہے اور تم اسے غلاظت کے اس گڑھے میں پھینکنے پر مصر ہو۔خود ہی فیصلہ کرو کیا یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے؟،(تفسیرِ ضیاءالقرآن،جلدنمبر3،صفحہ نمبر323)''۔لہٰذا لونڈیوں سے زبردستی اور اُن کی خوشی دونوں صورت میں ناجائز وحرام ہے۔

یہ قبیح تجارت نہ صرف مکہ مکرمہ میں بلکہ مدینۂ منورہ میں بھی عام تھی۔مدینۂ منورہ میں اِس کا سب سے بڑا تاجر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔عبداللہ بن ابی اُس کاروبار سے نہ صرف مالی بلکہ سیاسی فوائد بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ اِسلام جو دینِ فطرت ہے، جس کے مزاج ہی میں پاکیزگی اور عفت و حیا کا عنصر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلام معاشرے سے ہر قسم کے ظاہری اور باطنی خباثتوں اور گندگیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا خواہاں ہے۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں فحش کاموں اور منکرات کا حکم نہیں دیتا اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ شیطان ہی ہے جو تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور فحش کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی پھیلانے والوں کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ہر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اُمت کو اِس قسم کی بے حیائی اور منکرات سے روکا۔قرآنِ مجید کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ داعیٔ اعظم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرائض نبوت میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور منکرات اور گناہ سے روکیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اِسلام میں قحبہ گری جیسے قبیح فعل کے بارے میں ہدایات موجود نہ

ہوں اور وہ اِن معاملات سے چشم پوشی کرے۔ لہٰذا جیسے ہی رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ان معاملات کا مشاہدہ فرمایا تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اِن کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے اِس طرح کے تمام کاروبار کو ناجائز وحرام قرار دے دیا۔ جیسا کہ زیرِ مطالعہ حدیثِ مبارک میں ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے دیگر اشیاء کی حرمت بیان کرنے کے ساتھ ہی زنا اور زنا کاری کی اُجرت کو بھی حرام قرار دے دیا۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم سے اپنی ایک لونڈی معاذہ کے بارے میں کہا کہ اُسے اِجازت دی جائے کہ قحبہ گری کا پیشہ اختیار کرے، چونکہ یہ باندی چند یتیموں کی ہے، تو اِس سے اُن یتیموں کو مالی اعتبار سے فائدہ ہوگا۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے دوٹوک الفاظ میں اِس سے منع فرما کر ہمیشہ کے لئے اِس گندے اور بے حیائی پرمبنی فعل کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند فرما دیا۔ (تفسیرِ رازی، ج23، ص22)۔

اب تک قحبہ گری کا تذکرہ زمانۂ جاہلیت کے تناظر میں ہوا، جہاں تک آج کے روشن خیال اور مہذّب معاشرے کا تعلق ہے تو انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نام نہاد مہذب اور تعلیم یافتہ معاشرہ زمانۂ جاہلیت سے کچھ کم نہیں ہے۔ پہلے اِسے قحبہ گری اور مواخر کا نام دیا جاتا تھا اور اب جدید طریقوں سے اِسے چلایا جارہا ہے اور اس دور میں اسے ''ماڈلنگ''، ''آرٹ''، ''کیٹ واک'' اور ''فیشن شو'' کے دلکش اور ہوشربا نام دیئے جاتے ہیں۔ جو گناہ کی طرف لے جانے کے محرّک (motivator) ثابت ہورہے ہیں۔ ملک بھر میں اس کے لائسنس یافتہ مراکز قائم ہیں، قوم کی عورتیں عزت وآبرو کو سرِ بازار نیلام کرتی نظر آتی ہیں۔ جسمانی نمائش کو ماڈلنگ اور کیٹ واک کہا جاتا ہے۔ آج دنیا میں تہذیب وتمدن کے سرخیل تسلیم کئے جانے والے ممالک میں اس قبیح عمل کو باقاعدہ

ایک انڈسٹری کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس قبیح پیشے سے وابستہ لوگوں کو معاشرے میں منفرد مقام حاصل ہوتا ہے، اُنہیں دوسرے ممالک میں سفیر مقرر کر کے اُن کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اِسلام کی نگاہ میں یہ سب کچھ حرام وناجائز ہے اور کسی بھی صورت میں اِس کی اجازت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اسلام صرف بے حیائی اور فحاشی سے نہیں روکتا بلکہ ان اسباب و محرِّکات سے بھی سختی سے منع کرتا ہے، جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی بے حیائی اور فحاشی و عریانیت کے دلدل میں گر سکتا ہے۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: **وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةًؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا**☆ ترجمہ: اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے۔(سورۂ بنی اسرائیل، آیت نمبر 32)۔اِس آیت کی تفسیر میں مفسرِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو جو زنا کا محرِّک اور زنا کا باعث اور سبب بنے مثلاً اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، ان سے خلوت میں ملاقات کرنا، ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا اور ان سے ہاتھ ملانا اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام اُمور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں، اِسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے۔ **(انوار تبیان القرآن، صفحہ نمبر 454)**۔

آج لڑکیوں کو ناچ گانے اور آلاتِ موسیقی بجانے کی باقاعدہ تربیت دی جارہی ہے اور اِسے باقاعدہ کاروبار کی حیثیت دے دی گئی ہے جبکہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ** ترجمہ: ”گانا بجانے والی عورتوں کو نہ فروخت کرو اور نہ ہی خریدو نہ انہیں یہ کام سکھاؤ اور اُن کی اُجرت حرام ہے۔لہٰذا نہ صرف قحبہ گری، ماڈلنگ اور کیٹ واک وغیرہ حرام و ناجائز کاروبار ہیں بلکہ ناچ

گانے اور آلاتِ موسیقی کی تربیت کے ادارے قائم کرنا بھی ناجائز ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ کی دولت عطا فرمائے،(آمین)۔

حدیث نمبر:22

چوری شدہ مال کی خرید وفروخت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی سَرِقَةً وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهَا سَرِقَةٌ فَقَدِ اشْرَکَ فِیْ عَارِهَا وَاِثْمِهَا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے جانتے ہوئے چوری کا مال خریدا تو وہ اُس (چور) کی برائی اور گناہ میں برابر کا شریک ہوا۔

تخریج: (السنن الکبری للبیہقی، کتاب البیوع، باب کراھیۃ مبایعۃ من اکثر مالہ من الرِّبوا اوثمن محرم، رقم الحدیث:10608)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک میں خرید وفروخت کی ایک اور ناجائز صورت کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے چوری کے مال کی خرید وفروخت۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واضح کر دیا کہ جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے،اُسے خرید لیتا ہے تو وہ اِس جرم میں برابر کا شریک ہے۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا چوری،ڈاکے اور غصب شدہ مال کو خریدنے سے سختی سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اِس طرح جرم کا سدِّ باب ہوگا کیونکہ جب لوگ ایسے مال کو خریدنے سے انکار کردینگے تو اُن کے عدمِ تعاون کی وجہ سے مجرم کی حوصلہ شکنی ہوگی لہٰذا ممکن ہے کہ وہ لوگوں کے اِس رویے کے پیشِ نظر اپنے اِس ظالمانہ فعل سے باز آجائے۔

چوری شدہ مال پر چونکہ چور کی ملکیت نہیں ہوتی چاہے اُس پر زمانہ بیت جائے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی سے چوری کا مال خریدتا ہے تو اُس شئے پر اُس کی ملکیت بھی قائم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس مال سے کسی قسم کا نفع لینا خریدار کے لئے جائز ہوگا۔ایسے مال کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے چوری کا مال خریدا اور اُس کے اصل مالک کو معلوم ہوگیا تو وہ اپنا مال خریدار سے زبردستی لے سکتا ہے اور اُس کی قیمت بھی ادا کرنے کا پابند نہیں ۔خریدار کو چور سے اُس کی رقم مل جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ اُس کی رقم ضائع ہوجائے گی۔اِس اُصول کی وضاحت رسولِ پاک صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی حدیثِ مبارک سے بھی ہوتی ہے۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا: **مَنْ وَجَدَ عَیْنَ مَالِهٖ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ وَ یَتَّبِعُ الْبَیِّعُ مَنْ بَاعَهُ** یعنی جس شخص نے اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس پالیا تو وہ اُس (مال) کا زیادہ حقدار ہے اور چوری شدہ مال خریدنے والا اِس شخص کو ڈھونڈے، جس نے اس کے پاس یہ مال بیچا ہے،(مشکوۃ المصابیح ،ابوداؤد، کتاب البیوع ،باب الرجل یبیع السلعۃ فیستحقھا مستحق)۔

ہمارے ہاں چوری کے مال کی خرید وفروخت ایک عام سے بات ہوگئی ہے۔ چونکہ عام طور پر چوری شدہ مال کی فروخت سستے داموں کی جاتی ہے لہذا دولت کے ہوس میں مبتلا لوگ جانتے بوجھتے ایسے مال کو کھلے عام خریدتے ہیں۔جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔آج ہمارے ملک میں دن دیہاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا ہے، کسی سے موبائل فون تو کسی سے لیپ ٹاپ **(lap top)** اور کسی سے موٹر سائیکل ۔ چور جانتے ہیں کہ یہ لوٹی ہوئی اشیاء مخصوص بازاروں میں بڑی آسانی سے فروخت ہوجائیں گی ۔اگر تمام دکاندار حضرات یہ تہیہ کرلیں کہ وہ ہرگز چوری شدہ مال نہیں خریدیں گے تو پھر چوری ،ڈاکہ زنا اور ناجائز غصب کا پھیلتا ہوا یہ معاشرتی ناسور بڑی حد تک کم ہوجائیگا۔

قرآنِ مجید میں اللہ جل شانہ نے ارشادفرمایا: وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ☆ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔(سورۂ مائدہ، آیت نمبر 2)۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور چوری کے مال کو نہ خریدنا لوگوں کے مال کو محفوظ بنانے میں مدد اور چوروں کے ظلم کے خلاف عدمِ تعاون ہے۔ لہذا تمام تاجروں کو سوچنا ہے کہ اُنہیں کس صف میں شامل ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے اور گناہ وسرکشی کے کاموں میں رکاوٹ بننے اور معاشرے سے ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (امین)۔

حدیث نمبر: 23

سونے چاندی، کرنسی اور ہم جنس (Homogenous) اشیاء کی خرید وفروخت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْهِ سَوَاءٌ

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے اور گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر دست بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی (یا اُدھار) سود کے حکم میں ہے، جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا، رقم الحدیث:4148)

تشریح:

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی درجِ بالا حدیث مبارک میں سود کی ایک اور قسم کو بیان کیا جارہا ہے اور وہ اجناس کا سود ہے۔ اِس قسم کے سود کا ذکر چونکہ حدیث شریف میں ہے، اِس لئے اِسے "**ربا الحدیث** یعنی حدیث شریف میں بیان کردہ سود" کہا جاتا ہے۔ دراصل اِس سے مراد وہ زیادتی یا اضافہ ہے، جو ہم جنس وہم قدر اشیاء کے باہم تبادلے کی صورت میں لی جاتی ہے۔ حدیث مبارک میں مذکوران چھ اشیاء کو "**اَموالِ ربویّہ**" کہا جاتا ہے۔

زیرِ مطالعہ حدیث شریف میں چھ چیزوں کے بارے میں ذکر ہے کہ ان کی خرید وفروخت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دست بدست **(on spot)** اور برابر سرابر **(equally)** کی بنیاد پر ہو۔ کمی بیشی اور اُدھار کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ دنیا میں کئی معاملات ایسے ہیں، جو بظاہر گناہ کے معاملات نہیں ہیں لیکن اپنی طبعیت اور اصل کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ اُن کو کرنے کی وجہ سے انسان کے کسی گناہ میں پڑنے کے مواقع **(chances)** بڑھ جاتے ہیں لہٰذا اِسلام اپنی فطرتِ سلیم کی وجہ سے نہ صرف بلاواسطہ گناہ سے روکتا ہے بلکہ اُن معاملات سے بھی روکتا ہے، جنہیں اختیار کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کے خدشات بڑھ جائیں۔ ہم جنس **(homogenous)** اور ہم قدر **(goods sold by same way)** اشیاء کی خرید وفروخت میں ان پابندیوں کو

لگانے کی وجہ سود کا اِنسداد ہے یعنی سود کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا ہے اور اِس طرح کی اشیاء میں اَعلیٰ اور اَدنیٰ معیار کے فرق کو بھی حکمت کے تحت نظر انداز کر دیا گیا۔ ہم جنس و ہم قدر اشیاء کے تبادلے میں کمی بیشی کی ممانعت اور نقد کی شرط لگانے کی وجہ بھی آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے صراحت سے بیان فرمادی، جیسا کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے فروخت نہ کرو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی بارگاہ میں کچھ برنی کھجوریں (یہ کھجوروں کی اعلیٰ قسم ہے) پیش کیں، تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے ہو، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس رَدّی یعنی کم درجے (low quality) کی دو صاع کھجوریں تھیں، میں نے وہ دو صاع دے کی ایک صاع یہ (برنی) کھجوریں خریدی ہیں۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ: ارے یہی تو قطعی سود ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرو، جب تمہیں اچھی کھجوریں (high quality) خریدنا چاہو، تو اپنی کھجوریں درہم یا کسی اور چیز کے بدلے فروخت کر دو اور پھر اِس قیمت سے اچھی کھجوریں خرید لو۔ (صحیح بخاری، کتاب الکفالت)۔ اِس حدیث شریف میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ہم جنس اور ہم قدر اشیاء میں معیار کے فرق کو نظر انداز فرمادیا اور زیادتی کو سود قرار دے دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حدیث شریف میں مذکور اِن چھ چیزوں کے علاوہ اشیاء میں بھی آپس میں لین دین کی صورت میں دست بدست (on spot) اور برابر سرابر (equally) کی شرط عائد ہوتی ہیں یا نہیں؟۔ لہٰذا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اِن چھ اشیاء کے علاوہ اُن تمام اشیاء کے باہم تبادل میں بھی یہی حکم لگے گا، جو جنس اور قدر میں مشترک ہوں چنانچہ ہر وہ جنس اشیاء جو باہم ماپ کر یا وزن کر کے فروخت کی جائیں

،اُن میں برابر سرابر اور دست بدست کی شرط کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ مثلاً چاول کا تبادلہ چاول کے ساتھ اور گنے کا تبادلہ گنے کے ساتھ وغیرہ کرنے میں یہ اُصول ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

امامِ ابوحنیفہ علیہ الرّحمۃ کے نزدیک اِن چھ اشیاء میں جنس کے ساتھ قدر علّت مشترکہ ہے لہٰذا جنس وقدر کی وضاحت قدرے تفصیل سے تحریر کی جارہی ہے: دو اشیاء کا ہم جنس ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُن دونوں کا ایک نام اور ایک کام ہو جیسے گیہوں (wheat) کی تمام اقسام آپس میں ہم جنس ہیں۔ اِسی طرح کھجور کی تمام اقسام لیکن اگر نام ومقصد میں اختلاف ہوتو وہ ہم جنس نہیں جیسے گیہوں، جو، کپڑے اور کھجور وغیرہ یہ سب آپس میں ہم جنس نہیں ہیں۔ اِسی طرح لوہا، سیسہ، تانبا اور پیتل وغیرہ بھی ہم جنس نہیں ہیں۔ قدر (value) سے مراد وزن (تولنا) اور کیل (مخصوص برتن سے ماپنا) ہے۔

اگر کسی دو اشیاء میں قدر و جنس دونوں مشترک (same) ہوں تو اُدھار اور نقد دونوں صورت میں کمی بیشی حرام و ناجائز ہے اسی کو ''ربا الفضل'' کہتے ہیں۔ مثلاً گیہوں کو گیہوں کے بدلے میں خرید وفروخت کیا جائے تو اُدھار و نقد دونوں صورتوں میں کمی بیشی حرام ہوگی کیونکہ یہ دونوں جنس وقدر میں ایک جیسے ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں کی جنس ایک ہوتو اچھی کوالٹی یا بری کوالٹی کوئی معنٰی نہیں رکھتیں۔ یعنی جب بھی ان کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو دونوں کا برابر اور نقد ہونا ضروری ہے۔

اور اگر دونوں یعنی جنس وقدر میں سے کوئی ایک نہ ہوتو پھر نقد کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا لیکن اُدھار حرام مثلاً ایک صاع گیہوں کو دو صاع جو کے بدلے میں نقد تو بیچنا جائز ہے کیونکہ ان میں قدر تو مشترک ہے کہ دونوں ماپ کر فروخت کئے جاتے ہیں لیکن جنس دونوں کی ایک نہیں تاہم صورت مذکورہ میں اُدھار جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح بکری کے گوشت کا تبادلہ زندہ بکری کے ساتھ کیا جائے تو نقد کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگا کیونکہ ان کی

جنس تو ایک ہے لیکن قدر مشترک نہیں کہ بکری عددی ہے جبکہ گوشت وزنی ہے۔تاہم اُدھار اس صورت میں بھی جائز نہیں۔اور اگر دونوں نہ ہوں یعنی جنس وقدر دونوں میں فرق ہو،تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور اُدھار بھی جیسے ایک کلو گندم کو دس روپیہ میں خریدے تو یہ جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں جنس وقدر دونوں لحاظ سے فرق ہے۔

حدیث نمبر:24

جوئے کا کاروبار

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِيْ حَلِفِهٖ بِاللَّاتِ فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ

ترجمہ: بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جولات (ایک بت کا نام ہے) کی قسم اُٹھائے تو اُسے چاہیے کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے اور جوکوئی اپنے ساتھی سے یہ کہے کہ آؤ ہم جوا کھیلتے ہیں تو اُسے چاہئے کہ وہ صدقہ کرے۔

تخریج: (صحیح مسلم،کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزیٰ فلیقل لا الہ الا اللہ، رقم الحدیث:4349)

تشریح:

زیادہ مال حاصل کرنے کی غرض سے دو افراد یا ادارے کا اپنا مال اس طرح داؤ پر لگانا کہ کسی ایک فرد کو پورا مال حاصل ہو جائے اور دوسرے کا نقصان ہو جائے، جوا کہلاتا ہے۔میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوئے کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:"ہر وہ

کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ نا کام ہونے والے کی کوئی چیز کامیاب ہونے والے کو دی جائے گی یہ "جوا" ہے۔جوئے کو عربی میں "قِمار" کہتے ہیں۔جوئے کے معاملے میں ہر شخص نفع ونقصان کے درمیان ہوتا ہے یعنی یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ پورا مال اُسے حاصل ہو جائے اور دوسرا شخص مکمل نقصان میں چلا جائے اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جوئے کو عربی میں "المخاطرہ یعنی فریقین کا خود کو خطرے میں ڈالنا" بھی کہتے ہیں اور چونکہ اِس سے ایک شخص کو پورا مال بغیر محنت ومشقت کے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا اِسے "المَیْسِرُ" بھی کہتے ہیں۔زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوا کھیلنا تو دور کی بات ہے، اِس کا ارادہ کرنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے اور اُسے کفارہ کے طور پر صدقہ دینا پڑے گا۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے "المیسر" کی حرمت کو بیان فرما کر اِسے شیطانی عمل قرار دیا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ☆

ترجمہ:اے ایمان والو!بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو جاؤ، تاکہ تم کو فلاح ہو، (سورۂ مائدہ، آیت نمبر:90)۔

جوئے کی بنیاد دراصل دھوکہ دہی، لالچ، حرص اور جھوٹی خواہشات کی تکمیل پر ہے۔اس سے معاشرے میں باہمی ہمدردی، ایثار واخوت اور غمگساری ختم ہو جاتی ہے لہٰذا شیطان اِس کے ذریعے بآسانی افرادِ معاشرہ کے درمیان عداوت و دشمنی پیدا کر کے انہیں آپس میں دست وگریباں کر دیتا ہے۔لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے

ہیں۔ اسی کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے دور ہو جاتے ہیں، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ☆

ترجمہ: شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے، شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے؟۔ (سورۂ مائدہ، آیت: 91)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''شریعت میں جوا کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے کسی شخص کو بغیر کسی وجہ سے اس کے مال سے محروم کر دینے کی ایک صورت ہے اور ہارنے والے شخص کا سکوت غصہ اور ناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے جوا کھیلنے والا سہل پسندی کا عادی ہو جاتا ہے اور کسب معاش کے جائز ذرائع اختیار کرنے اور باہمی ہمدردی و ایثار، جو اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے، سے روگردانی کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ مبارک میں جوا خرید و فروخت اور دیگر کاروباری معاملات میں بیع فاسد کی مختلف صورتوں میں رائج تھا، لہٰذا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن تمام کی سختی کے ساتھ ممانعت ارشاد فرمادی۔ مثلاً بیع ملامسہ **(Sale by Touching Subject Matter)** خرید و فروخت کا ایسا معاملہ جو صرف خریدار کے مال کو چھو دینے سے واقع ہو جائے، اُسے ''بیع ملامسہ'' کہتے ہیں۔ بیع منابذہ **(Sale by Throwing the Subjec Matter)**: اس معاملے میں میں فروخت کنندہ مال **(ItemSold)** کو اپنی جانب سے مقررہ قیمت پر خریدار کی جانب پھینک دے تو اِس سے سودا لازم ہو جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اِس قسم کی بیع کا رواج عام تھا۔ جب کہ ان دونوں

میں دھوکہ دہی اور جوئے کا عنصر پایا جاتا ہے،لہٰذا احادیثِ مبارکہ میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے۔اسی طرح بیع مصرّ اۃ بھی ہے ۔مصرّ اۃ کے لغوی معنیٰ''روکنے اور جمع کرنے'' کے ہیں ،جبکہ شرعی اِصطلاح میں اِس سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری وغیرہ کے تھنوں کو باندھ کر چند دِنوں تک اُن کا دودھ نہ دوہا جائے ،تا کہ جب اُس جانور کو بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا جائے تو خریدار اُس کے تھن کو دیکھ کر یا دودھ دوہ کر، جو یقیناً اُس وقت زائد ہوگا، یہ گمان کرے کہ یہ روزمرہ اتنی ہی مقدار میں دودھ دیتی ہے اور اُس طرح فروخت کنندہ کو زیادہ قیمت وصول ہوجائے۔کسی ایک فریق کے نقصان کا عنصر کے پائے جانے کی وجہ سے اِسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر میں بھی جوا مختلف ناموں سے ہمارے معاشرے میں کھیلا جارہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ یہ کھیل نہیں بلکہ باقاعدہ ایک کاروبار کے طور پر کیا جارہا ہے۔ان کے نام اس قدر پرکشش اور پیشکش اِس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ سادہ لوح مسلمان اِسے جوا سمجھتے ہی نہیں اور ایک فائدہ بخش کاروبار سمجھ کر اِس میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ذیل میں جوئے کی رائج الوقت چند صورتیں درج کی جارہی ہیں،تا کہ انہیں جان کر اِن سے بچنا ممکن ہوسکے۔

(1) لاٹری: یہ طریقہ ہمارے ہاں بہت عام ہے کبھی اسے لکی ڈرا کا نام بھی دیا جاتا ہے۔اس کے تحت بیش قیمت انعامات کا لالچ کر دے لاکھوں افراد سے معمولی ٹکٹ کے عوض کروڑوں روپے جمع کر لئے جاتے ہیں۔اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعے چند افراد کو کچھ رقم انعام کے طور پر دے دی جاتی ہے۔انعام یافتہ افراد کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی رقم ڈوب جاتی ہے اور اعلان کرنے والا ادارہ بغیر کسی محنت ومشقت کے کروڑوں روپے کمالیتا ہے۔یہ بھی جوا ہی کی ایک قسم ہے،جو شرعی اعتبار سے حرام وممنوع ہے۔لہٰذا اس میں مبتلا تمام اداروں اور

افراد کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اِن سے رک جانا چاہئے۔

(2) پرائز بانڈ کا نمبر (آکڑا): بعض افراد پرائز بانڈ کے نمبرز فروخت کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔لہٰذا اگر اُس پرائز بانڈ پر انعام نکل آئے تو انعام نمبر خریدنے والے کا ہو جاتا ہے، بصورتِ دیگر اُس کا پیسہ ڈوب جاتا ہے، یہ بھی جوا ہی ہے۔آج کل یہ کاروبار بہت زور وشور کے ساتھ کیا جارہا ہے اگرچہ یہ قانوناً بھی ممنوع ہیں لیکن بھاری رشوت کے عوض گلی کوچوں اور بازاروں میں کھلے عام ہو رہا ہے۔راتوں رات امیر ہونے کے لالچ نے کئی گھروں کو برباد کردیا ہے۔اِس میں ملوث تمام افراد کو چاہئے کہ وہ اِس قبیح عمل کو فوراً چھوڑ دے تاکہ دنیاوی اور اُخروی عذاب سے بچ سکے۔

نوٹ: واضح رہے کہ پرائز بانڈ کے نمبر کی خرید وفروخت اور اُس پر حاصل انعام ناجائز ہو حرام ہے لیکن اگر کوئی پرائز بانڈ خریدتا ہے اور اُس پر انعام نکلتا ہے، تو نہ خریدنا حرام ہوگا اور نہ ہی انعام۔کیونکہ اس پر جوے کی تعریف صادق نہیں آتی اور وہ اس طرح کہ پرائز بانڈ پر انعام نکلنے یا نہ نکلنے دونوں صورت میں کسی کا مال ڈوبتا نہیں ہے جب کہ پرائز بانڈ کے نمبر پر انعام نہ نکلے تو نمبر خریدنے والے کی رقم ڈوب جاتی ہے اور نکل جائے تو فروخت کرنے والے کو نقصان ہوتا ہے اور یہی جوا ہے۔

موبائل فون اور جوا: آج کل جوے کی جدید صورت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ جب کرکٹ ورلڈ کپ یا دیگر کھیل ہورہے ہوتے ہیں تو موبائل کمپنی کی طرف سے اپنے صارفین کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ وہ **SMS** کے ذریعے رائے دیں کہ کون سی ٹیم جیتے گی۔درست جواب دینے والے کو انعام دیا جائے گا۔اس رائے دہی میں جو صارف حصہ لیتا ہے، اُس کے بیلنس سے کچھ رقم منہا ہوجاتی ہے۔چنانچہ رائے دہندگان میں درست جواب دینے والوں میں سے چند کو قرعہ اندازی کے ذریعے انعام مل جاتا ہے اور باقی تمام لوگوں کے پیسے

ڈوب جاتے ہیں۔لوگ شوق میں اِس طرح کے جوے میں مبتلا ہوکر اپنی دنیا اور آخرت خراب کررہے ہوتے ہیں۔اس طرح کی اسکیم ٹیلی ویژن پروگراموں کے ذریعے بھی متعارف کرائی جارہی ہے،

الغرض جوا معاشرے میں مختلف ناموں سے سرایت کر چکا ہے، جس کی مشکل سے شناخت ہوتی ہے لہٰذا ہر باشعور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کی کسی بھی اسکیم میں حصہ لینے اور اُن میں رقم لگانے سے پہلے اُس کے تمام جزئیات کو علماءِ کرام کے سامنے پیش کرے اور پھر اُن کے مشورے پر عمل کرے تاکہ کسی لاعلمی میں کسی ناجائز فعل میں پڑنے سے محفوظ رہ سکے۔

حدیث نمبر:25

لین دین میں رہن رکھنے کا تصوُّر

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰی طَعَامًا مِنْ یَهُوْدِیٍّ اِلٰی اَجَلٍ وَ رَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِیْدٍ

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ایک یہودی سے ایک مدّت مقرر کرکے اناج خریدا اور لوہے کی ایک زرہ اِس کے پاس گروی رکھی۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئہ، رقم الحدیث:2068)

تشریح:

لین دین کے معاملات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو قرض یا اُدھار پر کوئی شے لینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن دینے والے کو یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ اُس کا حق اُسے

ملے گا یا نہیں ؟۔لہٰذا شریعت نے اُس کے اطمینانِ قلبی کے لئے قرض دار کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کے پاس اپنی کوئی شے ضمانت کے طور پر رکھ دے ۔اِس طرح دونوں کا فائدہ ہو جائیگا کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائیگی اور قرض خواہ کو اپنا حق واپس مل جانے کا یقین ہو جائیگا اور اگر قرض دار نے اُس کی رقم ادا نہ کی تو وہ مالِ مرہون (mortgaged property) کو فروخت کر کے اپنا حق لے سکتا ہے۔قرض خواہ اور قرض دار کا یہ عمل شرعی اعتبار سے ''رہن'' کہلاتا ہے۔درجِ بالا حدیث مبارک میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل سے رہن کا ثبوت ملتا ہے۔

اُدھار لین دین یا قرض میں رہن کا رکھنا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے۔

رہن کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت نمبر 282 میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِباً فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ترجمہ:''اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اِس کا قبضہ بھی دے دیا کرو''(سورۃ بقرہ،آیت:283)۔''اِس آیتِ کریمہ میں حالتِ سفر میں (جبکہ کوئی وثیقہ نویس اور گواہ دستیاب نہ ہو)اُدھار معاملات کو طے کرنے کی ایک صورت بیان کی جارہی ہے کہ خریدار یا قرض دار اپنے قرض خواہ پر اعتماد قائم کرنے کے لئے اپنی کوئی چیز اِس شرط کے ساتھ اُس کے پاس بطورِ گروی یا ضمانت رکھ دے کہ جب وہ یعنی خریدار اُس کا قرض ادا کر دے تو فروخت کنندہ مالِ مرہون واپس کر دے گا۔واضح رہے کہ آیت کریمہ میں اگر چہ حالتِ سفر میں مالی معاملات میں رہن کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ حکم عام ہے یعنی سفر کے علاوہ بھی بوقتِ ضرورت رہن یا گروی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ہاں کسی حد تک رہن رکھنے کا رواج تو عام ہے لیکن مشاہدے میں یہ آیا ہے کہ رہن کے متعلق شرعی اَحکام پورے نہیں کیے جاتے ہیں۔ذیل میں رہن کی درستگی کی

چنداہم شرائط درج کی جارہی ہیں:

(1) فریقین میں سے ہرایک عاقل ہوالبتہ اِس میں بلوغت شرط نہیں ہے۔لہٰذا سمجھ دار بالغ بچہ بھی راہن(pledgor) یا مرتہن(pledgee) بن سکتا ہے۔ (2) مالِ مرہون ایسی شے ہو، جسے ضرورت پڑنے پرفروخت کیا جاسکے لہٰذا ناقابلِ فروخت شے رہن کے طور پر نہیں رکھی جاسکتی کیونکہ اُس سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔رہن کو فروخت کرنے کے بعد اُس کا اتنا ہی حصہ حقدار کو ملے، جتنا کے قرض کے مقابلے میں ہو۔زائد رقم قرض دار کو واپس کی جائے۔اِس اہم مسئلے کو عام طور پر نظرانداز کردیا جاتا ہے۔(3) اگر راہن نے پورے قرض کی بجائے اُس کا کچھ حصہ ادا کردیا ہو،تو اُسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کا اعتبار کرتے ہوئے مالِ مرہون کا کچھ حصہ واپس لے لے بلکہ جب تک پورے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گا مرتہن مال کو روک سکتا ہے البتہ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ معاملۂ رہن کے وقت ہی راہن نے یہ واضح کردیا ہو کہ مالِ مرہون کا اتنا حصہ قرض کے اِس مقدار کے مقابلے میں اور اتنا حصہ دوسرے کے مقابلے میں ہے تو پھر قرض کا جو حصہ ادا کیا جائیگا اُس کے مقابلے میں مالِ رہن بھی راہن کو واپس کیا جائیگا۔(4) راہن کی وفات کی صورت میں اُس کے بالغ ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مال متروکہ میں سے قرض کی ادائیگی کرکے مالِ مرہون مرتہن سے واپس لے لیں۔نابالغ ورثاء ہوں یا بالغ تو ہوں،لیکن دور ہوں تو مرتہن مالِ مرہون کو فروخت کرکے اپنا حصہ حاصل کرسکتا ہے۔مرتہن کی وفات کے بعد مالِ مرہون اُس کے وارثوں کے پاس بطورِ رہن ہوجائیگا۔ (5) مرتہن (mortgagee) مالِ مرہون (mortgaged property) سے کسی قسم کا فائدہ نہیں لے سکتا۔مرتہن کے پاس رہتے ہوئے اُس مال میں کوئی اضافہ ہو یا اُس سے کوئی شے حاصل ہو،تو اُس کا مالک راہن ہی ہوگا یعنی رہن رکھوانے والے کو یہ سب فوائد حاصل ہونگے۔اِسی طرح

مرتہن کی کوتاہی کے بغیر مالِ رہن میں کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان بھی مال کے حقیقی مالک کا ہوگا۔ اس کی وضاحت رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ رہن پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا، اِس کا فائدہ بھی رہن رکھنے والے کا ہے اور اِس کا نقصان بھی اُسی کا ہے۔(اسلامی مالیات، صفحہ نمبر 230)(6)

مالِ مرہون چونکہ مرتہن کے پاس ایک اعتبار سے امانت ہوتا ہے اس لئے مرتہن پر یہ لازم ہے کہ وہ مالِ مرہون کی خود یا اپنے قابلِ اعتماد لوگوں کے ذریعہ سے ہر ممکن حفاظت کرے۔ مال کی حفاظت کے حوالے سے جملہ اخراجات ومصارف مرتہن کی ذمہ داری ہے مثلاً گودام میں رکھنے کے اخراجات وغیرہ، البتہ وہ تمام اخراجات جن کا تعلق مالِ مرہون کی بقا اور ملکیت سے ہے، اُن کی ادائیگی راہن کے ذمہ ہے، مثلاً جانور کا چارہ، مکان کی صفائی ستھرائی اور مرمت کے اخراجات اور پراپرٹی ٹیکس وغیرہ۔

اگر راہن نے مرتہن یا مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر وہ اخراجات کر دیئے، جو شرعاً اُن کی ذمہ داری تھی تو اُن کی جانب سے تبرُّع (احسان) سمجھا جائیگا۔ راہن ومرتہن میں سے کوئی بھی مطالبے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

حدیث نمبر: 26

تجارت میں وکالت

عَنْ حکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَہٗ بِدِیْنَارٍ یَشْتَرِیْ لَہٗ اُضْحِیَۃً فَاشْتَرَاھَا بِدِیْنَارٍ وَبَاعَھَا بِدِیْنَارَیْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰی لَہٗ اُضْحِیَۃً بِدِیْنَارٍ وَجَاءَ بِدِیْنَارٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَصَدَّقَ بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ دَعَا لَہٗ اَنْ یُّبَارَکَ لَہٗ فِیْ تِجَارَتِہٖ

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلَّم نے اُنہیں ایک دینار دے کر بھیجا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کا جانور خریدیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک دینار میں جانور خرید کر دو دینار میں فروخت کر دیا۔ پھر دوبارہ اُنہوں نے ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدا اور ایک دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے (ایک دینار کو) صدقہ کر دیا اور اُن (حضرت حکیم بن حزام) کے لئے دُعا فرمائی کہ اُن کی تجارت میں برکت ہو۔

تخریج: (سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المضارب یخالف، رقم الحدیث: 3388)

تشریح:

عقل و شعور اور علمی و عملی مہارت و اہلیت میں تمام لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ اِن میں بعض انتہائی ذہین ہوتے ہیں، جن میں اپنے کام کو اَنجام دینے کی بدرجۂ اولیٰ صلاحیت موجود ہوتی ہے جبکہ اِس کے برعکس کچھ لوگ علم و صلاحیت اور مہارت و اہلیت میں کمی کی وجہ سے اپنے بعض اُمور بحسن و خوبی انجام دینے سے عاجز ہوتے ہیں اور کئی مرتبہ مہارت ہونے کے باوجود وقت کی کمی یا دیگر کاموں میں مصروفیات کی وجہ سے انسان اپنے کئی کام خود انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور اُسے اُس کام کی انجام دہی میں دوسروں کی مدد کی ضرورت رہتی ہے لہٰذا شریعت نے ایسے تمام لوگوں کی سہولت کے لئے اُنہیں یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنے میں سے ایسے شخص کو اپنا وکیل یا نائب نامزد کر دیں، جو اُن کے کام یا معاملے کی انجام دہی میں اُن کی بہتر نمائندگی کر سکے اور اُس کے بہتر نتائج لا سکے اور وکالت دراصل اِسی چیز کا نام ہے۔

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں وکالت کا جائز ہونا رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے عمل مبارک سے ثابت ہو رہا ہے۔ اِس کے علاوہ قرآنِ مجید کی متعدد آیات اور دیگر احادیثِ مبارکہ میں وکالت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ کہف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اصحابِ کہف کے تذکرے میں ارشاد فرمایا کہ **فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِ**

لَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ترجمہ: ''اب تم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو تا کہ وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے، (اور) پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے، (سورۂ کہف، آیت:19)۔'' اِس آیتِ مبارکہ میں اَصحابِ کہف کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ اُنہوں نے اشیاءِ خوردونوش کے لئے خود میں سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے شہر بھیجا، تا کہ وہ اُن تمام لوگوں کے لئے کھانا خرید کر لائے۔ یہ وکالت کے جواز پر قرآنی دلیل ہے۔

وکالت چونکہ احسان کی ایک صورت ہے لہٰذا اِس کا جواز قرآنِ مجید کی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 2 سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ترجمہ: ''تقویٰ اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، (سورۂ مائدہ، آیت:2)''۔ وکالت صرف خرید وفروخت کے معاملے میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی وکالت کی ضرورت رہتی ہے مثلاً بعض اوقات گھریلو اور ذاتی مسائل کے تصفیہ کے لئے وکیل مقرر کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ازدواجی مسائل کے حل کے لئے منصف کے طور پر وکیل مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَآ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَآ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ☆ ترجمہ: ''اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو، تو تم ایک مُنصف، مرد کے خاندان سے اور ایک مُنصف عورت کے خاندان سے مقرر کرلو، اگر وہ دونوں (مُنصف) صلح کرانے کا اِرادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا خبردار ہے، (سورۂ نساء، آیت:35)''۔ اِس آیتِ کریمہ سے وکالت کی مشروعیت اِس طرح معلوم ہوتی ہے کہ جب زوجین میں مفاہمت کی کوئی

صورت نظر نہ آئے، تو یہ حکم دیا گیا کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے رشتے داروں میں سے اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنا اپنا منصف نامزد کرے، جو اُن کے درمیان پیدا شدہ رنجش کو ختم کرانے میں اُن کی مدد کر سکے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اُونٹ کی قربانی کی، جن میں سے 63 اُونٹوں کو خود ذبح کیا اور باقی کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو وکیل مقرر کیا۔ اسی طرح کئی صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو زکوٰۃ وصول کرنے اور تبلیغِ دین کے لئے اپنا نائب (وکیل) بنا کر دوسرے علاقوں میں بھیجا اور یہ عمل آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانے تک اور تا حال اُمت میں جاری ہے، یعنی اِس پر اُمت کا اجماع بھی ہے۔

کیا وکالت تمام معاملات میں ہو سکتی ہے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے وکالت صرف اُن اُمور میں ہو سکتی ہے، جن میں نیابت یعنی وکیل بنانا جائز ہو مثلاً خرید و فروخت کے معاملات وغیرہ۔ نماز، روزہ اور اِن جیسی عبادتوں میں چونکہ نیابت جائز نہیں ہے لہٰذا ان کاموں کی ادائیگی کے لئے کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ ایسی عبادات ہیں، جن کی ادائیگی مکلّف پر ہی لازم و ضروری ہے اور مکلّف کے ادا کئے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔

وکالت عام اور خاص دونوں طرح سے ہو سکتی ہے لہٰذا اگر وکالت میں وکیل کو کسی خاص کام کے کرنے یا شے کو خریدنے کا پابند نہ کیا گیا ہو، تو یہ ''وکالتِ عامہ (General Agency Agreement)'' ہیں جیسے مؤکل نے اپنے وکیل سے یہ کہا کہ جو چیز مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں تو اب خریداری کی وکالت عامہ کے تحت ہو گی۔ لہٰذا وکیل جو کچھ بھی خریدے گا وہ مؤکل کا ہو گا۔ وکیل دینے سے اور مؤکل لینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ یونہی اگر یہ کہہ دیا کہ میرے لئے جو کپڑا اچھا ہو خرید لو تو یہ کپڑے کے متعلق

وکالت عامہ ہے۔لیکن اگر موکل نے عقدِ وکالت میں کسی خاص چیز کی خریداری کے لئے وکیل بنایا ہو،تو یہ وکالتِ خاصہ ہے۔مثلاً موکل اپنے وکیل کو یہ کہے کہ میرے لئے فلاں چیز خرید لیں وغیرہ۔ایسی صورت میں وکیل وہی معیّن چیز،جس کی خریداری کا اُسے وکیل مقرر کیا گیا ہے،خرید سکتا ہے اُس کے سوا دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔اگر وکیل نے اُس کی اجازت کے بغیر خریدا تو موکل پر اُس کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ وہ وکیل کی ملکیت میں شمار ہوگی اور اُس کی قیمت کی ادائیگی وکیل پر لازم ہوگی۔

وکیل کی حیثیت دراصل ایک امین کی ہوتی ہے لہٰذا اُس پر لازم ہے کہ جس کام کی ذمہ داری اُس نے اپنے ذمہ لی ہے،اُسے اپنی بساط کے مطابق درست انجام دینے کی بھرپور کوشش کرے۔شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے اپنے موکل کو ہر قسم کے نقصان سے بچائے۔لڑائی جھگڑے اور دیگر فوجداری معاملات کی وکالت میں وکیل کو چاہئے کہ وہ صرف حق بات کہے۔اپنے موکل کے مجرم ہونے کے باوجود اُسے بچانے کے لئے زبان دانی کے جوہر دکھانے کی بجائے صرف حق بات پر اُس کا ساتھ دے۔ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا۔جہاں تک مال کا تعلق ہے تو یہ وکیل کے قبضے میں بطورِ امانت رہتا ہے لہٰذا اِس پر امانت کے تمام شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں۔وکیل پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ مال کی حتی الوسع حفاظت کرے اور موکل تک بحفاظت اور بغیر کم و کاست کے پہنچادے۔لیکن اگر وہ مال وکیل کے قبضے میں اُس کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوجائے ,تو وکیل ضامن (Responsible) یعنی ذمہ دار نہیں ہوگا البتہ مال کے ضیاع یا اُس کی قدر میں کمی ہونے میں اُس کی کوتاہی اور غفلت ثابت ہوجائے تو حقیقی نقصان (Actual loss) کا ازالہ وکیل پر لازم ہے۔

وکیل کے لئے اُجرت لینا بھی جائز ہے مگر اِس صورت میں وکالت کا معاملہ اجارۃ الخدمت (Services Ijarah) کی طرح ہوجائیگا۔جیسا کہ مجلۃ الاحکام

العدلیہ مادّہ نمبر 1467 میں ہے کہ اگر وکالت میں اُجرت کی شرط بھی ہو اور وکیل نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہو، تو وہ اُجرت کا مستحق ہو جائیگا اور اگر اُجرت کی شرط نہ ہو، تو وکیل ایک مفت خدمت گار ہوگا لہٰذا کام کی تکمیل پر کسی قسم کے حقِ خدمت کا حقدار نہیں ہوگا۔

وکالت چونکہ عقودِ لازمہ (Binding Contracts) میں سے نہیں ہے لہٰذا مؤکل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو، تو وہ جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کردے۔ اِسی طرح وکیل کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ معاملۂ وکالت سے جس وقت چاہے معزولی کا اظہار کردے لیکن اِس میں بھی شرط یہ ہے کہ اُس کی معزولی سے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو رہا ہو۔ مؤکل وکیل کو معزول کرے یا وکیل خود معزول ہو جائے دونوں صورتوں میں دوسرے کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے لہٰذا جب تک علم نہ ہوگا وہ معزول شمار نہیں کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ کام کی تکمیل، مؤکل یا وکیل کی موت، مؤکل کے مفلس ہو جانے، وکیل یا مؤکل میں سے کسی ایک یا دونوں کے ذہنی توازن کے بگڑ جانے پر بھی وکالت کا معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر :27

کفالت (guarantee) یعنی لین دین میں کسی کی ذمہ داری لینا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلزَّعِیْمُ غَارِمٌ

ترجمہ: حضرت ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کفیل ضامن ہے۔

تخریج: (مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ، حدیث ابی امامہ الباھلی، رقم الحدیث:22955)

تشریح:

وکالت کی طرح کفالت بھی عقدِ تبرّع یعنی احسان کی ایک صورت ہے۔لوگوں کولین دین کے معاملات میں وکالت کی طرح کفالت کی بھی اکثر ضرورت پڑتی ہے۔اس سے لوگوں کا ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی خوف وخطر کے آپس میں مالی و دیگر معاملات کر لیتے ہیں۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ مطالعہ حدیث شریف میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کفالت کرنے والا ذمہ دار (responsible) ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو قرض دینے سے اس لئے ڈرتا ہے کہ معلوم نہیں وہ قرض واپس کرے گا یا نہیں؟ تو کفالت کی صورت میں اُسے اطمینان ہو جائیگا کہ قرض دار کے قرض نہ دینے پر کفیل اپنے وعدے کے مطابق قرض ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔آج کے تجارتی معاملات میں چھوٹے اور بڑے تمام منصوبہ جات میں کفالت ہوتی ہے اور یہ پوری دنیا میں بڑی کامیابی کے ساتھ رائج ہے۔

کفالہ کے جائز ہونے پر اِس حدیثِ مبارک کے علاوہ متعدد آیاتِ کریمہ اور دیگر احادیثِ کریمہ موجود ہیں۔جیسا کہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا** ترجمہ: ''زکریا (علیہ السّلام) نے (مریم) کی کفالت کی ذمہ داری لی، (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 37)''۔حضرت یوسف علیہ السّلام کے واقعہ میں جب پیالہ گم ہوگیا، تو تلاش کرتے وقت حضرت یوسف علیہ السّلام کی طرف سے انعام کا اعلان ہوا کہ **وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ**☆ جو پیالہ لا کر دے گا اس کو انعام میں ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ دیا جائے گا، میں اِس کا ضامن ہوں، (سورۂ یوسف، آیت:72)۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم خود بھی دوسروں کی کفالت کیا کرتے تھے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کے مطابق صحابۂ کرام علیہم الرضوان بھی ایک دوسرے کی کفالت کرتے

تھے۔جیسا کہ صحیح بخاری کی **کتاب الکفالہ** میں ایک طویل حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ایک جنازہ میں تشریف لائے تو نماز پڑھانے سے پہلے آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے پوچھا کہ میت نے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں دو دیناران کے ذمہ لازم ہیں، تو آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ پھر تم لوگ خود اس میت پر نماز پڑھ لو (یعنی میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھاؤنگا) چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لازم کرلیا تو اس کے بعد آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے نمازِ جنازہ پڑھائی''۔ بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا، تو اس کے بعد آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ میں مؤمنوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا آئندہ کوئی شخص مقروض انتقال کرے، تو میں اِس کے قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوں۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: **اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ**

ترجمہ: ''میں اور یتیم کی ذمہ داری قبول کرنے والا جنت میں قریب ترین ہونگے۔

اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفالت صرف کاروباری معاملات میں نہیں ہے بلکہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ہے۔ مثلاً کسی یتیم لاوارث بچے کی کفالت کرنا، غرباء و مساکین کی غذا، لباس اور رہائشی ضروریات کی کفالت کرنا وغیرہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علاقے کے کئی نادار و مساکین کی کفالت کیا کرتے تھے اور ایک صحابی، جو کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ کفالت تھے، کے میں بارے میں آتا ہے کہ کسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق اُن کی کفالت سے دستبردار ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی سورۂ نور میں آیت کریمہ 22 نازل فرمادی اور اُنہیں دوبارہ کفالت کرنے کی ترغیب دی۔

کفالت چونکہ ایک رضا کارانہ عقد ہے، جس کا مقصد محض امداد اور احسان ہے۔

لہٰذا اس پر کسی قسم کا معاوضہ یا اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔البتہ موجودہ زمانے میں کفالت کرنے میں کبھی کفیل کو کاغذی کاروائی ودیگر معاملات میں کچھ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں کفیل فی الواقع اخراجات (Actual Expenses) لے سکتا ہے۔

حدیث نمبر :28

حوالہ (Transfer of Debt) یعنی اپنا قرض کسی دوسرے کے سپرد کرنا

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَاِذَااُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتَّبِعْ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مالدار کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب مالدار پر حوالہ کردیا جائے، تو قرض خواہ کو چاہئے کہ وہ اسے قبول کرے۔

تخریج: (صحیح بخاری، کتاب الحوالات، باب فی الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ، رقم الحدیث: 2287)

تشریح:

اس حدیث مبارک میں لین دین کے معاملات میں دوسرے کے ساتھ احسان و مروت اور تعاون کی ایک اور پسندیدہ صورت بیان کی جارہی ہے اور وہ حوالہ ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرض دار کسی وجہ سے قرض کی ادائیگی سے معذور ہو جاتا ہے اور قرض خواہ کی طرف سے اُس پر دباؤ ہوتا ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی فوراً کردے، کئی دفعہ آپس میں رنجشیں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ نوبت لڑائی جھگڑے تک چلی جاتی ہے لہٰذا شریعت نے ایسی صورت میں قرض دار کو اجازت دی ہے کہ اپنے قرض کو قرض خواہ کی رضامندی سے کسی

دوسرے شخص کی طرف منتقل کردے تاکہ وہ شخص اُس کی طرف سے قرض کی ادائیگی کرے۔

حوالہ کی ایک صورت ''حوالۂ حق'' کہلاتی ہے، اِس کے تحت ایک قرض خواہ دوسروں سے قابلِ وصول قرض کی وصولیابی کا حق اپنے کسی دوسرے قرض خواہ کی طرف منتقل کردیتا ہے۔مثلاً احمد نے اکبر سے ایک لاکھ روپے لینے ہیں اور افضل کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے ہیں لہٰذا جب افضل نے زید سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو زید اُسے رقم دینے کی بجائے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنا قرض اکبر سے وصول کرلے، جو کہ زید کا مقروض ہے اب اگر اکبر اور افضل اِس بات پر راضی ہو جائے، تو اِس طرح کا حوالہ ''حوالۂ حق'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زیرِ مطالعہ حدیث شریف میں یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مجبور شخص اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے کسی امیر اور صاحبِ حیثیت پر قرض کا حوالہ کرے تو قرض خواہوں کو چاہئے کہ وہ اِس حوالہ کو قبول کرے اور قرض دار کی پریشانی ختم کرے۔حوالہ کو قبول کرنے سے نہ صرف قرض دار کی پریشانی ختم ہوگی بلکہ قرض خواہ کو بھی فائدہ ہوگا کہ اُس کا قرض اُسے بروقت مل جائے گا۔اور حوالہ کرنے والے کو اِس حدیث مبارک کی رُو سے اجر ملے گا، جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت زدہ کی مصیبت دور کی تو اللہ جلّ شانہ قیامت کے دن اُس کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا۔اِسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا کہ جب تک کوئی اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اُس کے شاملِ حال رہتی ہے۔آج امانت و دیانت کے معیار کے پست ہو جانے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے اور حوالہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں حوالہ کی عملی صورت بہت کم نظر آتی ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں چاہئے کہ ہم اَمانت و دیانت کے معیار کو مستحکم کریں اور ایک دوسرے پر اعتماد کر بحال کریں تاکہ حوالہ کی صورت میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِس حدیث

مبارک میں عمل کیا جا سکے۔ اِس سے ہمدردی، ایثار اور اُخوت پر مبنی معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے گی، جس کی آج بے انتہا کمی محسوس کی جارہی ہے۔

کفالت اور حوالہ اِس اعتبار سے تو ایک جیسے ہیں کہ دونوں ہی میں ایک شخص اپنے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری دوسرے شخص کو منتقل کر دیتا ہے۔لیکن اِن کے درمیان فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کفالت میں قرض کی ادائیگی کی مکمل ذمہ داری کفیل پر نہیں ہوتی بلکہ اصل قرض دار پر بھی رہتی ہے لہٰذا جب اصل قرض دار قرض کی ادائیگی سے معذور ہو جائے تو پھر کفیل قرض کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ حوالہ میں قرض کی ادائیگی کی مکمل ذمہ داری حوالہ لینے والے پر عائد ہو جاتی ہے اور اصل قرض دار بیچ سے بالکل نکل جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کفالت کی بہ نسبت حوالہ میں اِحسان و مروّت اور تعاون کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث نمبر:29

تجارت میں اِقالہ (سودا منسوخ کرنے) کی شرعی حیثیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی لغزش دور فرمائے گا۔

تخریج: (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقالۃ، رقم الحدیث:2283)

تشریح:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سامان کی خریداری کے بعد خریدار کو اُس کی ضرورت نہیں رہتی اور کبھی فروخت کنندہ کو اپنی فروخت شدہ شئے کی دوبارہ ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لہذا اِس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شریعت نے خریدار اور فروخت کنندہ کو خیارِ شرط کی سہولت دی ہے، جس کے تحت وہ تین دن تک سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن خیارِ شرط میں یہ لازم ہے کہ معاہدے کے وقت ہی اِس کی تعیین ہو جائے کہ فریقین یا کسی ایک کو خیارِ شرط حاصل ہے یا نہیں؟ اور باقی دیگر خیارات مثلاً خیارِ عیب، خیارِ غبن اور خیارِ وصف وغیرہ میں خیار کی شرائط کا ہونا ضروری ہے وگرنہ سودا فسخ نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا اگر یہ فریقین کو حاصل نہ ہوں لیکن اُن میں سے کوئی ایک فریق کسی عذر کی وجہ سے سودا منسوخ کرنے کا خواہش مند ہو تو پھر اِس کی کیا صورت ہوگی؟ کیا وہ مجبوری کے باوجود معاہدے پر عمل کا پابند ہے یا شریعتِ مطہرہ نے اُسے کسی قسم کی رعایت دی ہے، جسے وہ حاصل کرسکتا ہے ؟ تو اِن سب سوالوں کا جواب یہ ہے کہ بالکل شریعتِ مطہرہ نے اِقالہ (rescission) کے ذریعے سودا منسوخ کرنے کی رعایت دی ہے۔ اور اِقالہ چونکہ انسانیت اور قربانی کے جذبے کے تحت کیا جاتا ہے اور ایک شخص حق رکھنے کے باوجود کسی مجبور اور ضرورت مند کو فائدہ دینے کی غرض سے اپنے جائز حق سے دستبردار ہوتا ہے لہٰذا درجِ بالا حدیثِ مبارک میں اِس عمل کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے اور اِس پر ملنے والے انعام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور وہ انعام یہ ہے کہ قیامت کے دن جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، ہر کوئی پریشان ہوگا اور اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوگا، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اُس کی لغزشوں اور خطاؤں کو اِس لئے معاف فرمائے گا کہ اُس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی کی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آخرت کی ہر نعمت دنیا کے مال و

متاع اور وقتی فوائد سے ہزار ہا گنا افضل و اعلیٰ ہے۔ آخرت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں کے حصول کے لئے ناپائیدار دنیاوی مال وَ اَسباب سے دستبردار ہونا نقصان کا سودا نہیں بلکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ لہٰذا تاجر حضرات کو آپس کے معاملات میں اِقالہ کو ضرور اختیار کرنا چاہیئے ۔ اگر کوئی شخص مال خریدنے یا فروخت کرنے کے بعد سودا کو منسوخ کرنے کی درخواست کرے تو وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اِس حدیث مبارک کو ضرور سامنے رکھیں اور درخواست گزار کی گزارش کو ردّ نہ کریں بلکہ اِس موقع کو غنیمت جان کر فوراً اِسے حاصل کریں۔ یہ عمل آخرت کی بہترین متاع ثابت ہوگا۔

اقالہ کی اہمیت بیان کرنے کے بعد اِس کے بارے میں چند شرعی اُصول بھی بیان کرنا ضروری ہے تاکہ قارئین اِن اُصولوں کے مطابق درست اِقالہ کرسکیں۔ لہٰذا اِقالہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ فریقین (فروخت کنندہ اور خریدار) کی جانب سے ایجاب وقبول کے ساتھ ہو یعنی ایک فریق معاملہ کو منسوخ کردینے کی درخواست کرے اور دوسرا اُس کی درخواست کو قبول کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فروخت شدہ چیز کو واپس کرکے اپنی قیمت واپس لے لینا بھی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے۔ اِقالہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بیع کو فسخ کرنے کا ایجاب اور قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں۔

اِقالہ میں فروخت شدہ مال کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اِقالہ کے وقت موجود ہو۔ اگر مال ضائع ہوگیا یا کسی تیسرے شخص کو فروخت کردیا گیا تو پھر اِقالہ درست نہیں۔ اگر فروخت شدہ مال کا کچھ حصہ ضائع یا استعمال ہو چکا ہو، تو جتنا حصہ باقی ہے، اُس پر اِقالہ ہوسکتا ہے۔ فروخت شدہ مال کے برعکس قیمت کے ضائع یا استعمال ہو جانے پر اِقالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قیمت متعین نہیں ہوتی لہٰذا اُس کی جگہ کوئی اور چیز دی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر: 30

عاریت(Borrow to make use) کی شرعی حیثیت

عَنْ اُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَارَ مِنْهُ اَدْرُعاً يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ: اَغَصْبٌ يَا مُحَمَّدُ؟ فَقَالَ لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ

ترجمہ:

حضرت اُمیہ بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد صفوان بن اُمیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے غزوۂ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں مانگیں (یعنی آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ان سے کہا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہمیں دے دو) تو صفوان نے (جنہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا) کہا کہ کیا میری زرہیں غصب (قبضہ) کے طور پر لینا چاہتے ہیں؟ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا: نہیں بلکہ عاریت کے طور پر لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔

تخریج: (سنن ابی داود، کتاب الاجارۃ، باب فی تضمین العاریۃ، رقم الحدیث:3564)

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں عاریت کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔کسی چیز کا حق اِنتفاع(Beneficial Rights) بغیر کسی عوض کے کسی کو دینا ''عاریت'' کہلاتا ہے۔یہ عقدِ تبرع (احسان) کی ایک صورت ہے۔عاریت کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۂ ماعون میں بھی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے روزمرہ کی اشیاءِ ضرورت دوسروں کو نہ دینے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشادفرمایا: وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ترجمہ: وہ استعمال کی

معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں (سورۂ ماعون، آیت:7)۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مراد گھر میں استعمال ہونے والی کار آمد چیزیں ہیں، جیسے کلہاڑی، دیگچی اور آگ وغیرہ، (انوارِ تبیان القرآن، صفحہ نمبر 968)۔ وہ روزمرہ کی اشیاء دوسروں کو عاریت پر نہیں دیتے۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھوڑا عاریتاً لیا تھا۔ کسی محتاج اور ضرورت مند کو کوئی چیز عاریت پر دینے والے کو اجر و ثواب اور قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ عمومی طور پر نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون ہے۔

حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت پر دی جانے والی شے امانت کی طرح ہوتی ہے، لہٰذا مطلوبہ فوائد حاصل کئے جانے کے بعد اُسے اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر عاریت پر لینے والے کی کسی کوتاہی کی وجہ سے مال کو نقصان پہنچ جائے، تو حقیقی نقصان کا ازالہ اُس پر ضروری ہے۔ شے کے وہ اخراجات، جو اُس کی بقا کے لئے ضروری ہیں، عاریت پر لینے والے پر عائد ہونگے۔ لہٰذا اگر اُس نے اُن اخراجات کو برداشت نہیں کیا اور اس وجہ سے شے کو کوئی نقصان پہنچا، تو مستعیر ضامن (responsible) ہوگا۔

عاریت کا معاملہ بغیر کسی شرط (unconditional) کے بھی ہوسکتا ہے اور مقید (conditional) بھی۔ اگر معاملہ بغیر کسی شرط کے ہے یعنی اُس میں استعمال اور جگہ کے بارے میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو، تو مستعیر (عاریت پر سامان لینے والا) عرف و رواج (custom) کے مطابق جس طرح چاہے استعمال کرسکتا ہے۔ عرف و رواج کے مطابق استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کاموں میں عاریت پر لئے گئے سامان کو استعمال نہ کرے، جن کاموں میں استعمال کرنے سے لوگ بچتے ہیں۔ مثلاً مکان عاریت مطلقہ کی بنیاد پر لیا، تو اُس میں رہ بھی سکتا ہے اور اپنا سامان وغیرہ بھی رکھ سکتا ہے لیکن اگر اُس

میں بھٹی وغیرہ بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا کیونکہ مروّج نہیں ہے۔ اگر معاملہ مقید ہے، تو پھر معیر کی لگائی گئی پابندی کو مدّنظر رکھتے ہوئے مالِ مستعار کو استعمال کیا جانا ضروری ہوگا۔

عاریت اور اجارہ میں فرق یہ ہے کہ اِجارہ میں مال کے استعمال کرنے کا معاوضہ کرایہ(rent) کی صورت میں لیا جاتا ہے، جبکہ عاریت میں استعمال کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اِجارہ میں چونکہ مدّت متعین ہوتی ہے لہٰذا فریقین باہمی رضا مندی کے بغیر اِسے منسوخ نہیں کرسکتے ہیں، جبکہ عاریت پر دینے والا اپنی شے کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے، اِس کیلئے فریقین کے درمیان باہمی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

حدیث نمبر:31

مزدور کی اُجرت فوراً ادا کرنے کا حکم

عَنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَعْطُو الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

تخریج: (سنن ابنِ ماجہ، کتاب الرھون، باب اجرالاجراء، رقم الحدیث:2537)

تشریح:

اِسلام نے جہاں معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق وفرائض کا تعین کردیا ہے، وہیں مزدور و مالکان کے حقوق وفرائض کو بھی واضح طور پر بیان کردیا ہے اور ہر ایک کو

پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہ کریں۔آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کئی ایسی تنظیمات وجود میں آچکی ہیں، جو مزدوروں کے حقوق کے لئے آواز بلند کررہی ہیں، مزدوروں کو اُن کے جائز مقام دلانے کے لئے کئی قوانین وضع کئے گئے ہیں اور سال میں ایک دن ان کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے لئے یومِ مزدور کے نام سے منایا جارہا ہے۔لیکن یہ سب کچھ عرصے پہلے سے ہورہا ہے، اِس سے پہلے نہیں تھا لیکن اِسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ شریعتِ مطہرہ نے صدیوں پہلے ظلم و بربریت کی چکی میں پسے ہوئے مزدوروں کو اُن کا جائز حق دیدیا اور مالکان کو پابند کیا کہ مزدوروں کو کمتر نہ سمجھیں، جب کسی مزدور سے کام لیا جائے تو اُس کا حق فوراً دیدیا جائے۔جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے کتنا پیارا حکم ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کردو یعنی اُس کا حقِ خدمت معاہدے کے مطابق وقت پر ادا کردیا جائے۔یہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی بڑی معروف ومشہور حدیثِ مبارک ہے، جو کم وبیش ہر شخص چاہے وہ مزدور ہو یا مالک سب کو یاد ہے۔مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے اِس حدیث مبارک کے علاوہ ایک حدیثِ قدسی بھی بڑی معروف ہے، جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین لوگوں کے لئے خود مدّعی بنوں گا، اُن میں سے ایک وہ مزدور ہوگا، جس نے اپنا کام تو پورا کرلیا لیکن اُسے اُس کی اُجرت نہیں دی گئی۔

ہمارے معاشرے میں اوّل تو مزدوروں کو اُن کی محنت کی اُجرت نہیں دی جاتی اور اگر دی بھی جائے تو اتنی کہ مزدوروں کو دوبارہ پسینہ آجاتا ہے۔آج مزدوروں کو اتنی اجرت دی جاتی ہے کہ اُس سے اُن کے لئے دووقت کی روٹی کا انتظام نہیں ہوسکتا۔پورا دن

چمنیوں اور لوہے کی بھٹیوں میں کام کرنے والے معاشی اعتبار سے کمزور ہیں جبکہ اُن کی محنت کی آمدنی سے سرمایہ کار اور مالکان امیر سے امیر تر ہوتے جارہے ہیں۔انہی وجوہات کی بنا پر مزدور اور مالکان کے درمیان نفرتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ جب مزدوروں کو اُن کی محنت کا صحیح اور بروقت معاوضہ نہیں ملتا تو پھر وہ ہڑتال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، مالکان اُن سے بدلہ لینا کے لئے کارخانوں کی تالہ بندی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ایک طرف بے قصور صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف ملکی معیشت کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی درجِ بالا حدیث مبارک مزدوروں کو معاشی تحفظ فراہم کرتی ہے اور مالکان کو تنبیہ کرتی ہے کہ وہ مزدوروں کے استحصال سے رُک جائیں۔ وگرنہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی کی عدالت میں اُن پر مقدمہ قائم کیا جائے اور اس مقدّ مہ میں رب تعالٰی خود ہی مزدوروں کی طرف سے مدّعی ہوگا۔

رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ تمہارے خادم، ملازم، مزدور اور غلام تمہارے بھائی ہیں، لہٰذا تم میں سے جس کے پاس اس کا کوئی بھائی ہو، تو اُسے چاہئے کہ وہ اُس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا کہ وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے۔ اپنے مزدور کو کوئی ایسا کام کرنے کو نہ کہے، جسے وہ خود نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کام کرانے کی ضرورت ہو، تو خود بھی اُس کا ساتھ دے، (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امور الجاہلیۃ)۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی اِس حدیث شریف سے مزدوروں سے کام لینے کے متعلق کئی اُصول بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ مزدور و مالکان کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ ہے۔ لہٰذا مالک کے لئے مستحب ہے کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرے، وہی اپنے مزدور بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ اِس حدیث مبارک میں مالکان کو عیش و عشرت کی زندگی سے روکا جارہا ہے اور سادگی اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے ساتھ دوسروں پر بھی خرچ

کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ اُس کے اخراجات دوحصوں میں تقسیم ہوجائینگے اور وہ کفایت کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ مزدوروں کو بمشکل دال روٹی میسر ہوتی ہے جبکہ مالکان اور کارخانہ دار مہاجن کے ایک وقت کی کھانے پینے کا بل مزدوروں کی پوری تنخواہ کے برابر ہوتا ہےاور مزدور بمشکل سال میں ایک مرتبہ نئے کپڑے سلواپاتا ہےاور کئی تو ایسے بھی ہیں ، جنہیں سالوں نئے کپڑے نصیب نہیں ہوتے ،اِس کے برعکس سرمایہ دار روزانہ نئے کپڑے زیبِ تن کرتا ہے۔شریعت کا منشا یہ ہے کہ مزدوروں کی تنخواہ اتنی ہونی چاہئے کہ جس سے اُن کی بنیادی ضرورتیں آسانی کے ساتھ پوری ہوسکیں۔ اِس سے نہ صرف مزدوروں کا فائدہ ہوگا بلکہ مالکان کو بھی فائدہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں مزدور بخوشی اوراحسن طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کوانجام دینگےاور کاروبار خوب ترقی کرے گا۔

دوسرا یہ کہ مزدوروں سے اُن کی طاقت کے مطابق کام لیا جائے ،اُن پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ اُن کے لئے کرنا مشکل ہوجائے۔ اِس سے مزدوروں سے معاہدہ کے برخلاف مقررہ وقت سے زائد کام لینے کی ممانعت کا بھی علم ہوتا ہے۔کئی جگہوں میں آٹھ گھنٹوں کی بجائے بارہ بارہ بلکہ سولہ سولہ گھنٹے کام لیا جاتا ہےاور اگر مزدور زیادہ وقت کام کرنے سے انکار کرتا ہےتو اُسے ملازمت سے فارغ کردینے کی دھمکی دیدی جاتی ہے لہٰذا مزدور بحالتِ مجبوری اپنی طاقت سے زیادہ محنت ومشقت کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔تیسرا یہ کہ اگر مزدوروں سے اُن کی طاقت اور مقررہ وقت سے زائد کام لیا جائے تو اُن کا ہاتھ بٹایا جائے یا پھر اُسے زائد وقت کی اُجرت بھی دی جائے ۔ یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ زائد وقت کے منافع کا پورا حق داروہ شخص ٹھہرے ،جس نے کچھ محنت نہ کی ہو،صرف اپنا سرمایہ لگایا ہو۔ اور وہ شخص جو منافع حاصل کرنے کے لئے اپنا خون پسینہ بہارہا ہے،اُسے کچھ بھی نہ ملے ،زیادہ سے زیادہ چند تعریفی کلمات سے نواز دیا جائے۔

اِنسانی جسم کو راحت و آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور انسانی جسم کا فطری تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کا ذریعہ بنایا تو تھکاوٹ دور کرنے کے لئے رات کو سکون اور راحت کے لئے پیدا فرما دیا۔ اب اگر کوئی شخص زیادہ یا مسلسل کام ہی کرتا ہے اور کچھ وقت آرام نہ کرے تو پھر اس سے کئی نفسیاتی اور سماجی مسائل جنم لیتے ہیں۔ صحت خراب ہو جاتی ہے، طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیوی، بچوں، ماں باپ اور دیگر رشتے داروں کو وقت نہ دینے سے آپس میں رنجشیں بڑھتی ہیں۔

ابھی تک مزدوروں کے جن حقوق پر لکھا گیا، اُن میں سے ہر ایک کا تعلق اُن حقوق سے ہے، جو مزدور کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے تو اُن کے بارے میں فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ جس طرح مزدوروں کو اُن کی اُجرت کا دینا لازم اور ضروری ہے بالکل اسی طرح مالکان پر یہ بھی لازم ہے کہ دورانِ کام فرائض و واجبات مثلاً نماز وغیرہ کا وقت آجائے، تو مزدوروں کو ان کی ادائیگی کے لئے نہ صرف وقت دیا جائے بلکہ اِن اُمور کی انجام دہی کے لئے بہتر جگہ بھی فراہم کی جائے۔ اسی طرح رمضان المبارک میں اُن سے اتنا ہی کام لیا جائے کہ وہ آسانی کے ساتھ روزے رکھ سکیں۔ کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو ایسے حقوق اللہ سے روکے، جن کی ادائیگی انفرادی طور پر ہر مسلمان پر ضروری ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو ملازمین پر اپنے مالک کی اطاعت لازم نہیں ہوگی کیونکہ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ کسی کی اطاعت اُسی وقت تک کی جا سکتی ہے، جب تک وہ شریعت کے مطابق ہو وگرنہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

حدیث نمبر:32

کارخانہ داریا مالکوں کے حقوق

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ فِیْ اَھْلِہٖ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْاَۃُ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا رَاعِیَۃٌ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا وَالْخَادِمُ فِیْ مَالِ سَیِّدِہٖ (رَاعٍ) وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ قَالَ سَمِعْتُ ھٰؤُلَاءِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَحْسِبُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالرَّجُلُ فِیْ مَالِ اَبِیْہِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اُنہوں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام ذمہ دار ہے لہٰذا اُس سے اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے لہٰذا وہ اپنے گھر والوں کے لئے جوابدہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے لہٰذا وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار ہے، اس لئے اُس سے مالک کے مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کو یہی فرماتے ہوئے سنا اور میرے خیال میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور

ہر ایک سے اُس کے ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

تخریج:(صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب العبدراع فی مال سیدہ ولا یعمل الا باذنہ، رقم الحدیث: 2409)

تشریح:

اِسلام نے جس طرح مالک کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے مزدور کے حقوق پورے کرے، اُن کی اُجرت بروقت اور محنت کے مطابق دے اور اُن پر بے جا بوجھ نہ ڈالے تو ساتھ ہی مزدور کو بھی تاکید کی ہے کہ اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا کرے، جو کام اُس کے ذمے لگایا گیا ہے، اُس کو کرنے میں کوتاہی نہ کرے، مالک کے مفادات کا تحفظ کرے اور اُس کے مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مزدور اپنے حقوق کی بات تو کرتے ہیں، لیکن اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ کئی دفعہ مالک کا نقصان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حالانکہ زیرِ مطالعہ حدیث مبارک کی رُو سے جس طرح مالک سے اُس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی اگر اُس نے اپنے مزدور کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہوگی تو اُسے نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی سزا بھگتنی ہوگی) بالکل اِسی طرح مزدور بھی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔

مزدوروں کے ذہن میں یہ حقیقت رہنی چاہئے کہ اپنے مالکان کا احترام سچے دل سے کریں، کیونکہ جب تک اُن کے دلوں میں احترام ومحبت نہیں ہوگی، وہ اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا نہیں کر سکتے۔ کئی دفعہ مزدور خاص طور پر مزدور یونینز بغیر کسی وجہ سے اپنے مالکوں کے خلاف محاذ بنا لیتے ہیں اور اُنہیں نہ صرف مالی بلکہ جسمانی نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔ اپنے مطالبات منوانے کے لئے مالکان پر ہڑتال اور دیگر حربوں سے غیر ضروری دباؤ ڈالتے ہیں۔ یہ سب کچھ شریعتِ مطہرہ کے منشاء کے خلاف ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی تعلیم یہ ہے کہ اجیر ومستاجر میں احترام کا رشتہ قائم رہے، کوئی کسی کی عزتِ نفس مجروح نہ کرے اور ہر ایک دوسرے کو اُس

کے مرتبے کے مطابق عزت دے۔اس سے نہ صرف آپس میں محبت بڑھے گی بلکہ یہ عمل ملکی معیشت میں اضافے کا باعث بھی بنے گا، جو ملک وملت دونوں کے لئے سودمند ہے۔

قرآنِ مجید کی سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ اور اور ہارون علیہما السّلام کا آپس میں اجیر اور مستاجر ہونے کا ذکر ہے۔اس میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السّلام کی صاحبزادی نے اپنے والدِ محترم کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور اُن کی خدمات لینے کی وجہ یہ بیان کی کہ **یَـا اَبَـتِ اسْتَـاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْـنُ** ☆ ترجمہ''اے ابا جان آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجئے ، بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے، ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو، (سورۂ قصص، آیت 26:)''۔ مذکورہ آیت کریمہ میں بہترین اجیر کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ ہے کہ اجیر یعنی مزدور مضبوط وتوانا جسم کا مالک ہوتا کہ اپنی ذمہ داری اَحسن انداز میں انجام دے سکے اور دوسری یہ ہے کہ وہ امانت دار ہو۔

مزدوری میں امانت سے مراد یہ ہے کہ اگر مزدور اجیرِ عام ہے، تو جن لوگوں کے کام اُس نے لئے ہیں، اُنہیں وقت پر کام کر کے دیدے۔اجیر عام سے مراد وہ مزدور ہے، جو مقررہ وقت میں ایک ہی شخص کے کام کو سرانجام دینے کا پابند نہ ہو بلکہ ایک وقت میں کئی دوسرے لوگوں کے کام بھی کر سکتا ہو جیسے ہیئر ڈریسر، خدمات فراہم کرنیوالے تمام ادارے تشہیر (advertisement) کے ادارے ،وکلاء و قانونی مشیران اور مال اُٹھانے والے وغیرہ۔ یہ سب ایک شخص یا ادارہ کا کام کرنے کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں کے کام لیتے اور کرتے ہیں۔اجیر عام میں یہ خرابی عام طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آمدنی کے لالچ میں اپنی طاقت سے زیادہ کام لے لیتا ہے اور پھر بعد میں کام وقت پر نہیں کر پاتا ،جس کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں۔ یہ امانت ودیانت

کے اُصول کے خلاف ہے۔اَجیرِ عام کو چاہئے کہ وہ اتنا ہی کام لے، جتنا بآسانی وقت پر کرکے دے سکتا ہے باقی کے لئے معذرت کرلے وگرنہ حدیث کے حکم کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہوگا۔

اِسی طرح مزدور اگر اَجیر خاص (private employee) ہے،تو اُس پر لازم ہے کہ جتنا وقت اُس نے اپنی خدمات کے لئے ادارے سے فروخت کردیا ہے، اُس وقت میں ایمانداری کے ساتھ اپنا کام کرے اور مقررہ وقت میں اپنا کوئی ذاتی کام یا کسی دوسرے کا کام نہ کرے۔البتہ اگر مستاجر کی طرف سے یہ اجازت حاصل ہو کہ فارغ وقت میں وہ کوئی کام بھی کرسکتا ہے،تو پھر شرعًا اِس کی اِجازت ہے۔لیکن اِس میں یہ خیال رہے کہ اُس کے کوئی اور کام کرنے سے ادارے کے مالک کے کام میں حرج نہ ہورہا ہو۔ جو شخص/ادارہ کل وقت یا بعض وقت کے لئے کسی ایک شخص یا ادارے کا کام کرتا ہو اور اُس وقت میں کسی اور شخص یا اِدارے کا کام نہ کرسکے، اُسے ''اَجیرِ خاص'' کہتے ہیں۔دفاتر اور کارخانے وغیرہ میں جو لوگ اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں عام طور پر وہ اَجیرِ خاص ہی ہوتے ہیں۔یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اگر اجیرِ خاص اپنا کام ایمانداری سے نہیں کرتا اور بغیر کام کئے بغیر تنخواہ لیتا ہے،تو اِس کی یہ تنخواہ اُس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

آج ہمارا معاشرہ کام سے جی چرانے کی برائی میں مجموعی طور پر گرفتار ہے۔ سرکاری اداروں سے لے کر غیر سرکاری اداروں تک میں یہ برائی سرایت کرگئی ہے۔ایماندار، محنتی اور ذمہ دار افراد کی تعداد کم ہوگئی ہے۔بگاڑ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ تو بڑے آرام کی نوکری کررہے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ، جب جی میں آئے ، آتے جاتے ہیں۔کئی لوگ صبح صرف حاضری لگانے کے لئے آتے ہیں اور حاضری لگوا کر واپس چلے جاتے ہیں۔کئی اسکول اور کالجز ایسے ہیں، جہاں کے

اساتذہ مہینوں کلاس میں نہیں آتے لیکن باقاعدگی سے تنخواہ لے رہے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب کچھ نہ صرف دنیاوی اداروں میں ہے بلکہ کچھ دینی اداروں میں بھی یہ کوتاہی نظر آتی ہے۔ ایسے تمام افراد کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیرِ مطالعہ حدیثِ مبارک پیشِ نظر رکھنی چاہئے، اُنہیں سوچنا چاہئے کہ کیا اِس طرح سے حاصل شدہ آمدنی اُن کے لئے جائز ہوگی؟ کیا اس آمدنی سے خریدے گئے لباس اور کھانا پینا اُن کے لئے جائز ہیں؟۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جس کا لباس حرام کا ہو، جس کی غذا حرام کی ہو اور جس کی پینا حرام کا ہو اُس کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن انداز میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رزقِ حلال کمانے اور حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، (اٰمین بجاہِ سیدالمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم)۔

حدیث نمبر: 33

شراکت داری کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ: اِنَّ اللّٰه تَعَالیٰ یَقُوْلُ: اَنَاثَالِثُ الشَّرِیْكَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحدُهُمَا صَاحِبَهُ فَاِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا شریک ہوں، جب تک ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے۔ لہٰذا جب وہ خیانت کرے تو میں اُن کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ختم ہو جاتی ہے اور کاروبار برکت سے محروم ہو جاتا ہے)۔

تخریج: (سنن ابی داوٗد، کتاب البیوع، باب فی الشرکۃ، رقم الحدیث:3385)

تشریح:

جب دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں منافع کمانے کی نیت سے یا کسی شئے میں مشترکہ ملکیت قائم کرنے کے لئے شامل ہوتے ہیں، تو اسے شرعی اعتبار سے شراکت کہا جاتا ہے۔ اگر منافع کے حصول کے لئے کسی کاروبار میں شامل ہوں، تو یہ شرکتِ عقد ہے۔ اِس کے برعکس اگر کسی شے یا جائداد میں مشترکہ ملکیت قائم کی جائے، تو یہ شرکتِ ملک ہے۔ اِسلام نے شراکت کو سود کے بہترین متبادل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ شراکت پر مبنی کاروبار زیادہ سے زیادہ عام ہوں اور سود کی نحوست سے افراد اور معاشرہ دونوں محفوظ رہ سکیں۔ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں رسولِ کائنات صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے بھی حضرت سائب بن ابی سائب کے ساتھ شراکت پر کاروبار کیا۔ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شراکت میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم بہترین شریک تھے، آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نہ بہت زیادہ نرمی فرماتے اور نہ ہی جھگڑا کیا کرتے تھے۔ شراکت کو چونکہ سود کے جائز متبادل کے طور پر پیش کیا گیا ہے لہٰذا اِس سے بہتر طور پر مستفید ہونے کے لئے اِسلام نے اِس کے جملہ قواعد وضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا تا کہ کسی شریک سے کوئی غیر شرعی اور ناپسندیدہ عمل نہ ہو سکے۔

قرآنِ مجید کی آیات اور اَحادیثِ کریمہ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شراکت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی نگاہ میں اُس وقت تک مہتم بالشان اور مقبول عمل ہے، جب تک اِس میں خیانت شامل نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث مبارک سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ دراصل حدیثِ قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی سے مراد وہ حدیث ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان رسول اللہ صلَّی

اللہ علیہ وسلّم اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔لہٰذا اِس حدیث مبارک میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ میں شریکوں کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں، جب تک اُن سے کوئی بھی خیانت کا مرتکب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کاروبار میں اُس کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے اور کاروبار میں برکتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اُس وقت شامل ہوگی اور برکت پیدا ہوگی ، جب شرکاءِ کاروبار امانت و دیانت اور اِخلاصِ نیت کے ساتھ معاملات اَنجام دیں۔لیکن جیسے ہی دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک خیانت کرتا ہے اور وہ خودغرضی میں مبتلا ہوجاتے ہیں،تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ کاروبار برکت سے بھی خالی ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث مبارک میں صراحت کے ساتھ یہ بیان کردیا گیا ہے کہ اگر شرکائے کاروبار خیانت کریں گے تو ان کی تجارت مٹادی جائیگی اور اس میں برکت ختم ہوجائیگی۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے شریک کے اس مال میں خیانت کی ، جس میں اس کو اَمانت اور حفاظت سپرد کی گئی تھی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس شخص سے بری ہیں۔

شریعت نے شراکت کے کاروبار کو جس قدر بابرکت قرار دیا ہے، آج ہم اتنا ہی اس سے دور ہیں۔ لوگ شراکت پر کاروبار کرنے کی بجائے انفرادی کاروبار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔اِس کی وجہ یقیناً معاشرے میں اعتماد کا فقدان اور امانت وصداقت کے معیار کا پست ہونا ہے۔ شراکت سے دوری کی وجہ سے متعدد قسم کی معاشی و معاشرتی مسائل معاشرے میں جنم لے رہے ہیں، جن میں سب سے زیادہ سود کا عام ہونا ہے۔ کیونکہ جب کسی کے پاس سرمایہ موجود ہوتا ہے اور وہ اسے کسی کاروبار میں نہیں لگاتا ،تو اپنے سرمایہ سے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں کو سود پر رقم دینے لگتا ہے۔ جبکہ شراکت کا کاروبار کرنے سے نہ صرف اُس کے مال میں جائز طریقے سے بڑھوتری بھی ہوتی اور وہ سود کی

لعنت سے بھی محفوظ ہو جاتا۔ آج اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ سرمایہ داروں کو شراکت کی اہمیت اور شرعی فوائد بتائے جائیں اور اُنہیں شراکتی کاروبار کی رغبت دلائی جائے۔

ہم اپنے اردگرد کاروباری حلقے میں دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر شرکاءِ کاروبار میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلافات شروع ہو جاتے ہیں، آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں اور بالآخر شراکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال اُس وقت زیادہ پیدا ہوتی ہے، جب کاروبار میں نقصان ہو رہا ہو۔ شروع میں تو لاعلمی یا شرم و حیا کی وجہ سے نفع و نقصان کا طریقۂ کار طے نہیں کرتے اور پھر بعد میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے طے نہ ہونے کی وجہ سے کئی دفعہ مضبوط شریک کمزور کو زیرِ دست کر کے خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ ص کی آیت نمبر 24 میں اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ شراکت میں بسا اوقات ایک شریک دوسرے کے ساتھ خیانت کر لیتا ہے اور یہ کوشش بھی کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

روزمرّہ میں اس قسم کے کئی معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اس اَخلاقی کوتاہی سے اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والے محفوظ و مامون رہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسے بلند کردار افراد کم ہی ہیں۔

شراکت کے کاروبار کی حقیقی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اِسے انتہائی دیانت واَمانت کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اور منافع کی تقسیم کی شرح فیصد یا تناسب میں پہلے سے طے کر لی جائے کہ منافع ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم مثلاً 60% اور 40% کے یا 2:1 کے مطابق ہوگی۔ اور چونکہ نقصان کی تقسیم میں ایک ہی اُصول ہے اور وہ یہ ہے کہ نقصان شرکاء کے لگائے گئے سرمائے کے تناسب سے تمام شرکاء برداشت کرینگے لہٰذا اِس

میں لگائے گئے سرمائے کے علاوہ شرح کا تعین کرنا جائز نہیں ہے۔شراکت میں منافع و نقصان کی تقسیم کا یہ بنیادی اور اہم اُصول رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی ایک حدیثِ مبارک سے ماخوذ ہے۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ **الربح علی ما شرطا والوضیعة علی قدر المالین** یعنی منافع کی تقسیم شرکاء کی شرط کے مطابق ہوگی،جبکہ نقصان دونوں کے لگائے گئے سرمائے کے مطابق ہوگا۔

منافع کی تقسیم میں عام طور پر یہ کوتاہی بھی بہت زیادہ مشاہدے میں آئی ہے کہ کسی ایک شریک کا حصہ اِس طرح مقرر کردیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی منافع ہوگا،اُس میں سے اتنا مثلاً پانچ ہزار اس کا ہوگا اور باقی دوسرے شریک کا۔یہ جتنی پیداوار ہوگی،اُس میں اتنی مثلاً ایک ہزار ایک شریک کی اور باقی دوسرے کی وغیرہ۔یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شریک کے لئے جتنا مقرر کیا گیا ہے اتنا ہی منافع ہو یا اتنی ہی پیداوار ہو تو ایسی صورت میں دوسرے شریک کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ہمارے ہاں شراکت میں اِن اہم باتوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔اِس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس شریک کا حصہ شروع میں مقرر کردیا جاتا ہے،وہ کسی قسم کے خطرات نہیں لیتا بلکہ کاروبار میں نفع و نقصان دونوں صورتوں میں وہ اپنا پہلے سے طے شدہ حصہ لے لیتا ہے۔حالانکہ یہ شرعی اُصول ہے کہ **اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ** یعنی نفع خطرات لینے پر ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار میں منافع لینے کا حقدار وہی ہوگا،جو کاروبار میں خطرات کو برداشت کرنے پر راضی ہو۔اگر کوئی شخص کسی قسم کے خطرات ونقصان کے بغیر کاروبار میں سرمایہ شامل کرتا ہے،تو یہ شراکت نہیں ہوگی بلکہ شرعی اعتبار سے یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے کاروبار کرنے کے لئے دوسرے شریک یا شرکاء کو قرض دیا ہے لہٰذا اب وہ کوئی فائدہ نہیں لے سکتا کیونکہ قرض پر کسی بھی قسم کا منافع سود ہے۔الغرض شراکت میں برکت اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل کرنے کے لئے

ضروری ہے کہ یہ شرعی اُصولوں کے مطابق کی جائے وگرنہ بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔

حدیث نمبر:34

مضاربت کے کاروبار میں برکت ہے۔

عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ، اَلْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ وَ اِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ

ترجمہ:

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں برکت ہے، اُدھار خرید و فروخت، مقارضہ یعنی مضاربت اور گندم اور جو کی ملاوٹ اپنے گھر کے استعمال کے لئے نہ کہ تجارت کے لئے۔

تخریج: (سنن ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الشرکۃ والمضاربۃ، رقم الحدیث: 2377)

تشریح:

درجِ بالا حدیث مبارک میں جن تین چیزوں میں برکت کے بارے میں آگاہ کیا جارہا ہے، اُن میں سے ایک مضاربت کا کاروبار ہے۔ایک حدیث میں اِسی طرح کی خوشخبری شراکت کے کاروبار کرنے والوں کی بھی دی گئی ہے۔اِن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔لیکن یہ برکت اُسی وقت تک قائم رہے گی، جب تک کہ مضاربت کو ایمان داری اور صداقت کے مطابق انجام دیا جائے وگرنہ پھر مضاربت برکت سے خالی رہ جائے گی۔

مضاربت بھی دراصل شراکت ہی کی ایک صورت میں ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ شراکت میں تمام شرکاء کاروبار میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اور اسی طرح شرکاء کاروبار میں

عملی حصہ بھی لے سکتے ہیں جبکہ مضاربت میں ایک فریق صرف سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا فریق اُس سرمائے کو کسی کاروبار میں لگا کر اپنی مہارت اور محنت سے منافع حاصل کرتا ہے اور فریقین حاصل شدہ منافع کو پہلے سے طے شدہ تناسب یا فیصد کے اعتبار سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ مضاربت میں جو فریق اپنا سرمایہ کاروبار میں لگاتا ہے، اُسے ربّ المال یعنی مال والا کہا جاتا ہے اور جو فریق اُس سرمائے سے کاروبار کرتا ہے، اُسے مضارب کہتے ہیں۔

مضاربت کے بارے میں قرآنِ مجید میں کوئی حکم ہے یا نہیں؟ اِس حوالے سے فقہاءِ کرام نے مضاربت کے جواز کو سورۂ جمعہ کی درجِ ذیل آیتِ کریمہ سے ثابت کیا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ☆ ترجمہ: ''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور پھر اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، (سورۂ جمعہ، آیت نمبر 10)۔'' علمائے کرام نے فرمایا کہ چونکہ مضارب بھی مضاربت کا مال لے کر زمین پر سفر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے لہٰذا یہ معاملہ جائز ہے۔ لہٰذا اس آیتِ کریمہ کے لفظِ ''فضل'' سے مضاربت کے جائز ہونے کا پتا چلتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال مضاربت کے اُصول کے تحت ہی شام کی منڈی میں فروخت کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو اس طرح کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا، نیز حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت حکیم ابن حزام، حضرت جابر بن عبداللہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر عمل پیرا رہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک یتیم کے مال کو مضاربت پر لگا کر اُس

سے منافع حاصل کیا، جس کی وجہ سے یتیم کے مال میں اضافہ ہوا۔

مضاربت عام طور پر دو طریقوں سے کی جاتی ہے ۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ رب المال کی جانب سے وقت اور مکان کا تعین نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی خاص کاروبار کے کرنے کی شرط عائد کی جاتی ہے، بلکہ ربّ المال نے صرف سرمایہ فراہم کر دیا ہو اور مضارب اپنی صوابدید پر اس سے جو چاہے، جائز تجارت کرے۔ مضاربت کی یہ صورت مضاربتِ مطلقہ کہلاتی ہے۔ مضاربتِ مطلقہ میں مضارب کو ہر قسم کے حلال کاروبار کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور مضارب ہر اس طریقے کو اپنا سکتا ہے، جسے عرفِ عام میں تاجر حضرات اَنجام دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی اور کو یہ سرمایہ مضاربت پر دینا چاہتا ہے اور اس سے شراکت کرنے کا متمنی ہے تو ربّ المال سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے، اسی طرح مضاربت کے مال میں اپنا مال ملانے کے لئے بھی رب المال کی اجازت ضروری ہے۔ مضاربت مطلقہ میں مضارب اپنی مرضی سے مضاربت کے لئے سفر بھی کر سکتا ہے، لیکن سفر اس وقت کر سکتا ہے جب بظاہر کوئی خطرہ نہ ہو، اور اگر راستہ خطرناک ہو تو مضاربت کا مال اس راستہ سے نہیں لے جا سکتا وگرنہ مضارب ضامن ہوگا۔

مضاربت کی دوسری صورت یہ ہے کہ ربّ المال کی طرف سے مضارب کو کسی مخصوص کاروبار یا مخصوص جگہ میں کاروبار کرنے کا پابند کر دیا گیا ہو۔ یہ مضاربتِ مقیَّدہ کہلاتی ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ صرف لاہور میں کاروبار کیا جائے اور سرمایہ کاری صرف ٹیکسائل مل میں کی جائے تو اب مضارب پر یہ لازم ہے کہ وہ ربّ المال کی بتائی ہوئی جگہوں میں اور کاروبار میں سرمایہ لگائے وگرنہ نقصان کی صورت میں مضارب ضامن ہوگا۔

مضاربت کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ فریقین معاہدے کے وقت ہی منافع کی تقسیم کی شرح آپس میں طے کر لے۔ شراکت کی طرح یہاں بھی کسی مخصوص رقم

پر معاہدہ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ فیصد یا تناسب کے اعتبار سے منافع تقسیم ہوگا۔البتہ نقصان ہونے پر یہ اُصول مسلّمہ ہے کہ سرمائے کا نقصان ربُّ المال برداشت کرے گا اور مضارب اپنی محنت کا نقصان برداشت کرے یعنی اُسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

حدیث نمبر:35

مزارعت (زمین بٹائی پر دینا)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ لَمَّا افْتُتِحَتْ خَيْبَرُ سَأَلَتْ يَهُودُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقِرَّهُمْ فِيهَا عَلىٰ اَنْ يَعْمَلُوا عَلىٰ نِصْفِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ ،فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ اُقِرُّكُمْ فِيهَا عَلىٰ ذَالِكَ مَا شِئْنَا

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب خیبر فتح ہوا، تو یہودیوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ ان کو خیبر میں برقرار رکھا جائے، وہ زمینوں پر اس شرط کے ساتھ کام کرتے رہیں کہ زمینوں سے جو پھل یا کھیتی پیدا ہوگی، اُس کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں تمہیں اس وقت تک ان زمینوں پر برقرار رکھتا ہوں، جب تک ہم چاہیں گے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، رقم الحدیث:4047)

تشریح:

اگر کسی شخص کے پاس زرعی زمین ہو، تو اِس سے فائدہ حاصل کرنے کے کئی

طریقے ہیں۔ایک یہ ہے کہ وہ زرعی زمین پر خود کاشت کرے اور اگر وہ خود کاشت نہیں کرتا تو پھر سب سے بہتر تو یہی ہے کہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اس زمین پر کسی معاوضے کے بغیر زراعت کی اجازت دیدے یا پھر اُسے اُجرت پر زمین دیدے اور اُس کی پیداوار سے کوئی سروکار نہ رکھے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زمین کسی کاشتکار کے حوالے اِس شرط کے ساتھ کردے کہ زمین کی متوقع پیداوار میں سے کچھ مثلاً 40% یا ایک تہائی زمیندار کا ہوگا اور 60% یا دوتہائی کاشتکار کا ہوگا۔زمین سے پیداوار حاصل کرنے کا یہ طریقۂ کار مزارعت کہلاتا ہے۔لہٰذا مزارعت سے مراد یہ ہے کہ زمین ایسے شخص کے حوالے کردینا، جو اُس پر کاشتکاری کرے اور اُس سے حاصل شدہ پیداوار کو دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کرلیں۔بعض اوقات مزارعت کو''زمین بٹائی پر دینا'' بھی کہا جاتا ہے۔

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک کی رُو سے مزارعت ایک جائز معاہدہ ہے، جس کی اِجازت رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے دی ہے اور اِس پر نہ صرف عہدِ رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ وسلَّم میں عمل ہوتا رہا بلکہ صحابۂ کرام اور بعد کے زمانے میں بھی ہوتا رہا۔احادیثِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مزارعت کا جو طریقۂ کار مروّج تھا، اُس میں کئی طرح کی شرعی قباحتیں موجود تھیں۔اُس زمانے میں مزارعت اِس طرح ہوتی تھی کہ زمیندار پیداوار میں سے اپنے لئے پہلے ہی سے متعین مقدار مقرر کرلیتا کہ میں متوقع پیداوار میں سے اتنے من لوں گا اور باقی کاشتکار کے لئے۔یا کاشت شدہ زمین کے فلاں حصے کی پیداوار میری ہوگی اور باقی کاشتکار کی وغیرہ۔پہلی صورت میں شرعی اعتبار سے یہ قباحت تھی کہ معلوم نہیں زمین کی کل پیداوار ہی اتنی ہو یا اُس سے کم ہو تو دوصورتوں میں زمین دار و کچھ بھی نہیں ملے گا حالانکہ اُس پیداوار کو لانے میں اُسی نے خون پسینہ بہایا ہے۔اور دوسری صورت میں یہ قباحت ہے کہ ممکن ہے کہ صرف اُسی جگہ پیداوار ہو یا نہ ہو۔پہلی صورت میں

صرف زمیندار کو فائدہ ہوگا اور دوسری صورت میں صرف کاشتکار کو فائدہ ہے اور یہ دونوں جائز نہیں ۔لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے زمانۂ جاہلیت میں مروّج مزارعت کی صورتوں کو ناجائز قرار دے کر صحیح صورت کو بیان فرمادیا۔

آج بھی دیہاتوں میں مزارعت کا وہ طریقۂ کار اپنایا جارہا ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔ زمیندار کاشتکاروں کو پیداوار کی ایک متعین مقدار کے عوض زمین دیتے ہیں اور پیداوار آنے پر اپنا حصہ لے لیتے ہیں ،جس کی وجہ سے کئی دفعہ کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملتا اور محنت کرنے کے باوجود وہ مفلوک الحال اور دوسروں کے دستِ نگر بنے رہتے ہیں۔ یہ ظلم اور استحصال کی بدترین شکل ہے۔جن احادیثِ کریمہ میں مزارعت کی مذمت بیان کی گئی ہے، وہاں اِس سے مراد اِسی قسم کی مزارعت ہے۔اب ضرورت اِس بات کی ہے کہ جہالت پر مبنی مزارعت کے مروجہ طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی کی جائے اور درست وشرعی مزارعت کے بارے میں زمینداروں اور کاشتکاروں میں آگہی پیدا کی جائے۔ ذیل میں اِسی مقصد کے تحت مزارعت کے درست ہونے کی شرائط درج کی جارہی ہیں۔

(1) زمین قابلِ زراعت ہو یعنی ایسی زمین، جس میں سیم تھور یا کسی اور وجہ سے زراعت کرنا ممکن نہ ہو اُس زمین کو مزارعت پر دینا جائز نہیں ہوگا۔لیکن ایسی زمین جو وقتِ معاہدہ کسی وجہ سے مثلاً پانی نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ کاشت نہ ہو لیکن جس وقت کسان اُس پر کام شروع کرے گا، اُس وقت تک وہ کاشت کے قابل ہو جائیگی تو اُس پر مزارعت کا معاہدہ کرنا جائز ہوگا۔(2) صاحبِ زمین اور مزارع دونوں اہلِ عقد میں سے ہوں۔ (3) جو زمین مزارعت پر دی جارہی ہے، اُس کی تعیین بھی ضروری ہے۔(4) جس مدّت کیلئے معاہدہ کیا جارہا ہے اُس کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔عام طور پر ایک سال یا ایک فصل کا معاہدہ کیا جاتا ہے۔(5) اِس کا تعین کہ بیج کون مہیا کرے گا۔(6) بیج کی جنس کا تعین کہ کھیت میں کس قسم کا

بیج استعمال کیا جائیگا۔(7) معاہدہ کی تکمیل کے بعد مزارع کو زمین پر مکمل قبضہ دینا تا کہ وہ اپنی صوابدید پر زمین پر آزادی کے ساتھ کاشتکاری کر سکے۔(8) زمین سے حاصل پیداوار پر دونوں کے حصے کا تعین فیصد یا تناسب کے اعتبار سے ہو۔

مزارعت ہی کی طرح کا ایک اور معاہدہ بھی ہے، جو پھلدار درختوں پر کیا جاتا ہے اور وہ مساقات ہے۔ یہ شرکت کی ایک ایسی شکل ہے، جس میں درخت ایک فریق کا ہوتا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش دوسرا فریق کرتا ہے اور جو پھل آئیں وہ آپس میں تقسیم کر لئے جاتے ہیں۔ چونکہ دیہاتوں میں مساقات کا معاہدہ بھی عام ہے لہٰذا اِس کی اہمیت کے پیشِ نظر مساقات کی شرائط بھی درج کی جارہی ہیں:

(1) فریقین کا عاقل ہونا۔(2) مزارعت کی طرح مساقات میں بھی فریقین کے حصوں کا تناسب یا فیصد کے اعتبار سے متعین ہونا۔(3) درختوں کا مالی کے سپرد کر دینا تا کہ وہ آزادی کے ساتھ اُن کی دیکھ بھال کر سکے۔

مساقات اگر اپنی تمام شرائط کے ساتھ ہو، تو پیداوار ہونے کی صورت میں وہ پہلے سے طے شدہ قاعدے کے مطابق تقسیم ہو گی لیکن اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے، تو پھر ساری پیداوار درختوں کے مالک کی ہو گی اور عامل (کام کرنے والا) صرف اُجرتِ مثل کا حقدار ہو گا بشرطیکہ اُجرت مثل طے شدہ فیصد یا تناسب سے زیادہ نہ ہو۔ مثلاً معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا کہ پیداوار فریقین کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو گی۔ اس طریقہ سے مالی کا حصہ دس من آیا لیکن مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہو گئی لہذا جب اُجرتِ مثل معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ دس من یا اس سے کم ہے تو عامل کو اُس کے مطابق دے دیا جائیگا لیکن اگر اُجرتِ مثل دس من سے زائد ہوئی تو پھر دس من ہی ملیں گے زائد نہیں۔

حدیث نمبر: 36

کھیتی باڑی کی فضیلت

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بھی پودے لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے پرندے یا انسان یا چوپائے کھاتے ہیں، تو وہ اُس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب فضل الغرس والزرع، رقم الحدیث:4055)

تشریح:

رزقِ حلال کے حصول کے ذرائع میں ایک ذریعہ کھیتی باڑی بھی ہے۔ زراعت کے ذریعے نہ صرف انسانوں کی غذائی اور دیگر ضرورتیں پوری ہوتی ہیں بلکہ دوسرے جاندار بھی اس سے اپنی کئی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اِس حدیثِ مبارک میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے کھیتی باڑی کی فضیلت کو بیان فرمایا کہ کھیتی میں اُگنے والے اناج سے جب انسان، چرند پرند اور دیگر حیوانات کھاتے ہیں تو اُن کا یہ کھانا اُگانے والے کے لئے صدقۂ جاریہ بن جاتا ہے یعنی ہمیشہ اُسے ثواب ملتا رہے گا۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں کھیتی باڑی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے پوشیدہ خزانوں سے رزق تلاش کرو اور یہاں پوشیدہ خزانے سے مراد زراعت، ماہی گیری اور کان کنی ہے۔ ان احادیثِ کریمہ

سے یہ معلوم ہوا کہ کھیتی باڑی کرنے کے دو فوائد ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ کرنے والے کے لئے صدقۂ جاریہ بن جاتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اِس سے رزق بھی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کے پاس زمین ہو، تو اُس پر لازم ہے کہ کاشتکاری کے ذریعے اُسے کارآمد بنائے، اُس پر محنت کرے اور بارآور بنائے اور بغیر کاشت اُسے نہ چھوڑے۔

شریعت کا عام اُصول یہ ہے کہ "اعمالِ صالحہ پر اجرِ آخرت کا مدار نیت پر ہے" یعنی یہ کہ کسی شخص نے وہ عملِ صالح کس نیت سے کیا ہے۔ مگر اس حدیثِ مبارک میں اس ضابطے سے ماوراء غیر معمولی اجر کی بشارت ہے کہ درخت لگانے والے یا زمین میں فصل کاشت کرنے والے کا تو مقصد ذاتی منفعت ہوتا ہے نہ یہ کہ اس سے جانور، چرند پرند یا حشرات الارض کھائیں، بلکہ بعض اوقات اِن سے تحفُّظ کے انتظام کرتا ہے، نگہداشت کے لئے چوکیدار یا کتا رکھتا ہے، تحفُّظ کے لئے جنگلہ یا باڑ لگاتا ہے، سنڈی وغیرہ اور چرند پرند سے بچانے کے لئے زہریلی دواؤں کا چھڑکاؤ کرتا ہے۔ مگر چونکہ اس کی محنت سے اللہ کی اِن مخلوق کو روزی ملتی ہے اور ان کے رزق کا وسیلہ بن جاتا ہے، اِس لئے درخت یا فصل لگانے والے کو اجر ملتا ہے۔

قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کے ذریعے حاصل ہونے والے اجناس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ☆ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ☆لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ☆ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ☆ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ☆** ترجمہ: اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم جو کچھ (زمین میں) بوتے ہو۔ اُسے تم ہی اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اِسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تاوان ہی پڑ گیا بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ

گئے ۔(سورۂ واقعہ، آیت:63,64,64)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ☆

ترجمہ: ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اُسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے پھر اسی کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتیاں اُگاتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے اور آپ انہیں زرد رنگ میں دیکھتے ہیں پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، اِس میں عقل مندوں کیلئے بہت زیادہ نصیحت ہے،(سورۂ زمر، آیت:21)۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ☆يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ☆

ترجمہ: ”وہی تمہارے فائدے کے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے، جسے تم پیتے ہو اور اسی سے اُگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بے شک ان لوگوں کے لئے تو اس میں بڑی نشانی ہے اور جو غور وفکر کرتے ہیں،(سورۂ نحل، آیت:11,10)۔“

ایک اور حدیث مبارک میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِلْتَمِسُوْا الرِّزْقَ مِنْ خَبَايَا الْاَرْضِ یعنی زمین کے پوشیدہ خزانوں سے رزق تلاش کیا کرو (پوشیدہ خزانے سے مُراد زراعت، ماہی گیری اور کان کنی وغیرہ ہے)،(ترمذی شریف)۔

حدیث نمبر: 37

ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرنے پر وعید

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِبْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ :اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ: مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ جس نے ناحق کسی کی ایک بالشت برابر زمین پر قبضہ کیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق (بطورِ سزا) اُسے پہنائے گا۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم الظلم وغصب الارض وغیرھا، رقم الحدیث:4217)

تشریح:

اِس حدیثِ مبارک میں رسولِ پاک صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ایسے شخص کو جس نے کسی کی ایک بالشت بھر زمین پر ناحق قبضہ کیا ہو، اُسے خبر دار کیا کہ قیامت کے دن زمین کے اس چھوٹے سے خطے کی وجہ سے ایک شدید عذاب میں مبتلا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اُسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ دنیا میں اگر کوئی ہلکی سی شے کسی کی گردن میں لٹکا دی جائے تو اُس کا چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے، وہ تکلیف سے کراہ رہا ہوتا ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اُس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تو کوئی قیامت کے دن سات زمینوں کے طوق کا بوجھ کیسے برداشت کر سکے گا۔ ایک حدیث مبارک میں آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے انتہائی شدید الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ سنو، ظلم نہ کرو، خبردار! کسی کا مال اُس کی رضا مندی اور خوشی

کے بغیر جائز نہیں۔اسی طرح آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی ذرہ برابر زمین پر ناحق قبضہ کرلے، تو وہ قیامت کے دن سات زمینوں میں دھنسادیا جائے گا۔حدیث مبارک میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کوئی شخص کسی کی زمین پر اگرچہ قبضہ نہیں کرتا،صرف اُس کی اجازت کے بغیر اُس میں کاشتکاری کرلیتا ہے تاکہ اناج حاصل ہو،تو رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے اِس کی ممانعت اِرشاد فرمائی اور پیداوار پر زمین کے حقیقی مالک کا حق قرار دیا البتہ حقیقی اخراجات کاشتکار کو دیے جائینگے۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم ہی کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی زمین ظلماً چھین لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اِس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہوگا۔غصب کی اِس قدر مذمت دراصل اِس لئے بیان کی گئی ہے کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اِس کی وجہ سے مسلمان بھائی کی حق تلفی ہوتی ہے۔اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دین کی نگاہ میں حقوق العباد کی بہت اہمیت ہے۔ دین کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق اللہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف ہوسکتا ہے لیکن حقوق العباد کی معافی اُس وقت تک نہیں ہوگی، جب تک صاحبِ حق کا حق نہ مل جائے یا وہ معاف نہ کردے۔

آج ہمارے معاشرے میں زمینوں اور پلاٹوں پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات ہے۔ باقاعدہ زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے گروہ بن چکے ہے،ایک زمین کا ٹکڑا کئی کئی لوگوں سے فروخت کردیا جاتا ہے۔زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنے کے لئے لوگوں کی جانیں لے لی جاتی ہیں۔ایک گروہ زمینوں پر قبضہ کرکے غریبوں کی محنت و مشقت کی کمائی کو ہتھیالیتا ہے،تو دوسرا گروہ قبضہ چھڑانے کا کہہ کر غریبوں سے پیسے بٹورتا ہے جبکہ دونوں گروہ کا آپس میں گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے مسجدوں، مدارسِ دینیہ،عوامی پارکوں اور دیگر فلاحی زمینوں پر بھی قبضہ کرنے

سے نہیں رکتے۔ زمین پر قبضے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی زمین فروخت کرنا نہیں چاہتا لیکن دوسرا شخص زبردستی جور و جبر سے اُس کی زمین خرید لیتا ہے۔ یہ بھی قبضے کی ایک صورت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسجدِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم میں توسیع کی جائے۔ مسجدِ نبوی کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے بات کی، تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جگہ دینے پر راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ یہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا۔ فریقین میں ایک طرف حکومت ہے اور دوسری طرف حضرت عباس۔ چونکہ زمین حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھی لہٰذا عدالت نے اُن کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اِس فیصلے کے آنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر قیمت ہی کے اپنا مکان مسجدِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی توسیع کے لئے دے دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مکان دینا ہی تھا تو پہلے ہی کیوں نہ دے دیا تو اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اِسلام کسی کے حقِ ملکیت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔

اِسی طرح بعض اوقات مساجد و مدارس کے نام پر بھی زمینوں پر قبضہ کیا جاتا ہے، یہ بھی جائز نہیں۔ لہٰذا زمین پر کسی طرح بھی ناجائز اور ظلم و تعدی کے ساتھ قبضہ کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ درجِ بالا احادیثِ مبارکہ اور واقعات کا بار بار مطالعہ کریں اور پھر سوچیں کہ وہ اپنے لئے کتنی بڑی تباہی و بربادی کا انتظام کر رہے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ فوراً سچے دل سے توبہ کریں، جس کی زمین پر قبضہ کیا ہے، اُسے واپس کریں اور اگر زمین کا مالک انتقال کر چکا ہے، تو زمین اُس کے ورثاء کے حوالے کریں۔ یہ ذہن میں رہے کہ حقوق العباد کی کوتاہی صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتی جب تک کہ جس کا حق مارا گیا ہے، اُسے اُس کا حق نہ پہنچا دیا جائے۔

بعض افراد معلوم ہونے کے باوجود ایسی ہی قبضہ شدہ زمینوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں، اُنہیں یہ جاننا چاہیے کہ ایسی زمینوں کو خریدنا اور پھر اُنہیں آگے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر غاصب کی ملکیت ہی نہیں ہوتی حالانکہ بیچنے کے لئے چیز کا مالک ہونا ضروری ہے لہٰذا جب وہ مالک ہی نہیں تو آگے فروخت کرنے کا مجاز بھی نہیں ہے۔ اسی طرح خریدار بھی اُس کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ جس سے وہ چیز خرید رہا ہے، وہ اصل مالک نہیں بلکہ غاصب ہے۔ عام طور پر لوگ اِس اہم مسئلے پر توجہ نہیں دیتے اور زمین خرید کر گناہ گار ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ زمین کا اصل مالک سامنے آجاتا ہے اور زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو دھوکے باز فروخت کنندہ غائب ہوجاتا ہے، اِس طرح سادہ لوح خریدار غاصبوں کے دھوکے میں آکر اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی گنوا دیتے ہیں۔

ناحق زمین پر قبضہ کرنے کی مذمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب اِسلام نے جائز طریقے سے دولت کمانے سے منع نہیں کیا، کوئی بھی شخص شرعی حدود وقیود کی پابندی کرتے ہوئے دولت جمع کرسکتا ہے، اِس میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسان کو ذہنی وجسمانی صلاحیتوں سے بھی نوازا تاکہ وہ اِن صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دولت کما سکتا ہے تو پھر دولت کمانے کا یہ ناجائز ذریعہ کیوں اختیار کیا جائے اور اِن کی اجازت کیوں دی جائے؟ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** () **ترجمہ:** ترجمہ: ''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اِس کے کہ تمہاری رضامندی سے تجارت ہو، (سورۂ نساء، آیت: 29)''۔

حدیث نمبر: 38

مالِ تجارت پر زکوٰۃ

عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: اَمَّا بَعْدُفَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَامُرُنَااَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَۃَ مِنَ الَّذِیْ نَعِدُّہٗ لِلْبَیْعِ

ترجمہ:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہر حال رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا ہمارے لئے یہ حکم تھا کہ ہم اَموالِ تجارت کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

تخریج: (سنن ابی داوٗد، کتاب الزکوٰۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ھل فیما من زکوٰۃ، رقم الحدیث:1564)

تشریح:

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالِ تجارت پر زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے فرمان سے آگاہ کررہے ہیں۔زکوٰۃ دین کے بنیادی پانچ ستونوں میں سے ایک ہے اور مالی عبادتوں میں سب سے مقدّم ہے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن و احادیث میں نماز کے بعد جس عمل کے کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، وہ زکوٰۃ ہے۔گویا نماز تمام بدنی جبکہ زکوٰۃ تمام مالی عبادتوں کی اصل ہے۔زکوٰۃ کی اِسی اہمیت کے پیشِ نظر شریعتِ مطہرہ نے تمام قابلِ زکوٰۃ اشیاء اور اُن کے نصاب کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

آج تجارتی معاملات میں جہاں دیگر خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، وہاں ایک خرابی یہ

بھی ہے کہ تاجر حضرات اپنے مالِ تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو بروقت اور پوری ادائیگی نہیں کرتے۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے پورا کاروبار بے برکت ہوکر رہ جاتا ہے اور بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ جلّ شانہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقات وزکوٰۃ کو بڑھاتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیثِ مبارک کا مفہوم ہے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور اُس میں کمی واقع ہو جائے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ قرآنِ مجید کے مطابق زکوٰۃ دراصل غرباء ومساکین کا حق ہے، جو اُن تک پہنچایا جاتا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ نہ دینا دراصل غرباء ومساکین کا حق تلف کرنا ہے۔ زکوٰۃ گردشِ دولت کا بہترین ذریعہ ہے۔ ماہرینِ معاشیات کہتے ہیں کہ اگر ہر تاجر ایمان داری اور باقاعدگی سے ہر سال زکوٰۃ کی رقم ادا کرتا رہے تو ملک میں غربت وافلاس میں خاطر خواہ کمی آئے گی، جس کے ملکی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہونگے۔ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ اُونٹوں پر زکوٰۃ ہے اور بکریوں پر زکوٰۃ ہے اور گائے پر بھی زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر بھی زکوٰۃ ہے۔ (دارقطنی، باب لیس فی الخضروات صدقۃ)۔ اس حدیث مبارک میں اُونٹوں، بکریوں اور گائے پر زکوٰۃ کے علاوہ اگرچہ صرف تجارتی کپڑے پر زکوٰۃ کا ذکر ہے لیکن فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ تجارتی کپڑے کے علاوہ دیگر مال تجارت پر بھی سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں تاجروں کا مال اکٹھا کر کے اور باقاعدہ حساب کر کے اُن تمام اموال کی زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے۔ آپ ہی کے دورِ خلافت میں ایک شخص جن کا نام ابوعمرو بن حماس تھا، چمڑے کے ترکش اور تیر بنایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنہیں

ان صنعتی اشیاء کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو ابوعمرو کہنے لگے کہ میرے پاس اِن کے علاوہ کچھ نہیں۔اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ **قَوِّمْهَا ثُمَّ اَدِّ زَكٰوتَهَا** یعنی ان کا حساب لگاؤ اور پھر زکوٰۃ ادا کرو، (الام للشافعی)۔

یہ تو زکوٰۃ کے چند معاشی اور معاشرتی وتمدّنی فوائد ہیں، جبکہ روحانی اور دینی اعتبار سے فوائد کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔اِس سے مال کے تزکیہ (purification) کے ساتھ ساتھ قلب وروح کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکریہ کی سب سے بہترین اور اعلیٰ ترین صورت ہے۔قرآنِ مجید اور احادیث کریمہ کے مطابق مال ایسی شے ہے، جس کی وجہ سے دلوں میں دنیا کی محبت بیٹھ جاتی ہے اور انسان اس کا ہی بن کر رہ جاتا ہے لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دل سے دنیا کی محبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ مرکوز ہوجاتی ہے۔اور یہ اُخروی اور ابدی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی مسلمان کو بخل، تنگ دلی، خودغرضی، بغض وعناد، حسد اور اِستحصالی سوچ جیسی اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

یہاں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی مذکورہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے بارے میں کچھ تفصیلات درج کی جارہی ہیں۔مسلمان تاجر کی ملکیت میں خام مال (raw material)، تیار شدہ مال (finished goods)، نقد رقم، قابلِ وصول رقم (receivealbes) اور بینک ڈیپازٹس (bank deposits) کی صورت میں جو بھی مالِ تجارت ہے، اُن سب پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔البتہ وہ اشیاء جو صنعت وتجارت میں عاملِ پیداوار (factor of production) کے طور پر استعمال ہورہی ہوں، اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً اشیاء پیدا کرنے والی مشینری، دفتر کا فرنیچر، جگہ اور گودام اور دیگر آلات وغیرہ۔البتہ اگر کسی کمپنی

میں مشینری، بار برداری کے لئے گاڑیاں(loading vehicles)،فرنیچر اور دیگر آلات وغیرہ فروخت کرنے کے لئے پیدا کی جارہی ہیں،تو یہ اب عاملِ پیداوار نہیں رہیں گی بلکہ یہ مالِ تجارت شمار ہوکر قابلِ زکوٰۃ ہوجائیں گی۔

مالِ تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں قابلِ زکوٰۃ رقم معلوم کرنے کے لئے اُن اشیاء کی موجودہ بازاری قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا یعنی قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہوگا۔مثلاً کسی شخص نے ایک لاکھ روپے کا مالِ تجارت خریدا اور جب اِس مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوئی تو اُس وقت اُس کی قیمتِ فروخت ایک لاکھ دس ہزار ہوگئی یا قیمت کم ہوکر نوے ہزار ہوگئی تو دونوں صورتوں میں قیمت فروخت زیادہ ہو یا کم کا اعتبار ہوگا قیمتِ خرید ایک لاکھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔گائے بھینس اور اُونٹ وغیرہ اگر فروخت کرنے کی نیت سے ہوں،تو مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر بھی زکوٰۃ ہوگی لیکن اگر یہ ہل جوتنے اور دودھ کے حصول کے لئے ہوں،تو پھر اِن پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ اِس وقت یہ عاملِ تجارت کی طرح ہونگی البتہ اِن سے حاصل شدہ آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی اگر وہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچیں۔

حدیث نمبر:39

زمین کی پیداوار پر عُشر

عَنْ سَالِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَنَّهُ سَنَّ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرَ وَفِيْمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

ترجمہ:

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ جاری فرمایا

تھا کہ جس زمین کو آسمان یا چشموں نے سیراب کیا یا عشری ہو یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کرتے ہوں اُس میں عشر ہے اور جس زمین کے سیراب کرنے کے لئے جانور پر پانی لادکر لاتے ہوں اُس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

تخریج: (سنن ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی الصدقۃ فیما یسقی بالانھارِ وغیرہ، رقم الحدیث:641)

تشریح:

عشر کے لغوی معنیٰ ''دسویں حصہ'' کے ہیں اور اِس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے، جو زمین کی پیداوار پر ادا کی جاتی ہے۔ مذکورہ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے قابلِ کاشت زمین کی دو صورتیں بیان فرما کر اُن کے احکام واضح کر دیئے ہیں۔آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ اگر زمین بارانی یعنی بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اُس سے حاصل شدہ پیداوار کا دسواں حصہ عشر کے طور پر دینا واجب ہے۔لیکن اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ ہر اُس شے میں جسے زمین نے نکالا عشر یا نصف عشر ہے۔

مفتیِ اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے زمینوں کی دونوں قسموں کی وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

بارانی زمین: جس میں کاشت کار کو موسمی اور علاقائی خصوصیات کے وجہ سے زمین کو سیراب کرنے میں بہت زیادہ محنت ومشقت نہیں اُٹھانا پڑتی، سیرابی کے لئے کاشتکار کو ٹیوب ویل وغیرہ لگانے اور اس پر سرمایہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ، بلکہ وہ بارش کے پانی، قدرتی چشموں ،زمین کی نمی اور دریاؤں کے پانیوں کی وجہ سے ازخود سیراب ہوتی رہتی

ہے، ایسی زمین کی پیداوار پر عُشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ عائد کیا گیا ہے۔

البتہ پہاڑی ندی نالوں میں بارش اور قدرتی چشموں کا پانی ہوتا ہے اور اُن کے اَطراف کی زمین کا کچھ حصہ سیراب ہوتا ہے، وہ زمین بارانی کہلاتی ہے۔ آج کل بڑے دریاؤں پر ڈیم یا بیراج بنا کر نہریں نکالی جاتی ہیں اور اُن کے ذریعے جو زمین سیراب ہوتی ہے، چونکہ زمیندار یا کاشتکار کو اُس پانی کا آبیانہ (irrigation tax) دینا پڑتا ہے لہٰذا اس طرح دریائی پانی کے استعمال والی زمینیں بارانی نہیں رہیں، بلکہ نہری زمینیں بن گئی ہیں اور یہ غیر بارانی ہیں۔

غیر بارانی زمین: جس کو سیراب کرنے کے لئے کاشتکار کو مشقّت کے ساتھ ساتھ محنت کے ذریعے یا قیمتاً پانی حاصل کرنا پڑے، مثلاً ٹیوب ویل یا رہٹ کے ذریعے پانی حاصل کرتا ہے یا پانی کے حصول کے لئے پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے یا نہری پانی کا ٹیکس یا آبیانہ **(irrigation Tax)** دیتا ہے، اُس پر آدھا عُشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ (یعنی پانچ فیصد) مقرر کیا گیا ہے، (زکوٰۃ: معنیٰ و مفہوم، اہمیت، فضائل و مسائل، صفحہ نمبر **74,75**)۔

عشر کا تذکرہ نہ صرف اَحادیثِ کریمہ بلکہ قرآنِ مجید میں بھی ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ** یعنی کھیتی کٹنے کے دن اُس کا حق ادا کرو، (سورۂ اَنعام، آیت: **141**)۔ مفسرینِ کرام کے نزدیک "حق" ادا کرنے سے مراد "عشر" کا ادا کرنا ہے۔ عُشر کے واجب ہونے کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** ترجمہ: "اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو، جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں، (سورۂ بقرہ، آیت: **266**)"۔

عُشر کا تعلق چونکہ زمین کی پیداوار اور درختوں سے حاصل ہونے والے پھلوں

سے ہے لہٰذا زمینداروں، کسانوں اور باغبانوں کے لئے اِس کے مسائل و احکام کا جاننا ازروئے شرع انتہائی ضروری ہے کیونکہ ان سے غافل رہنے کی صورت میں وہ ایک اہم دینی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہورہے ہونگے۔

زمین اگر بٹائی پر ہے ،تو مالک (land lord) اور مزارع (farmer) دونوں پر اپنے اپنے حصے کا عشر واجب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر نکال لیا جائے اور پھر طے شدہ تناسب (ratio) کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں۔ اگر زمین ٹھیکے پر دی ہے ،تو یہ اجارہ ہے۔ زمین کے مالک پر اُس کے دیگر اَموال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ہے۔ اور جس نے ٹھیکے یا اِجارے پر لی ہے، اس پر کل پیداوار کا عشر لازم ہے۔ اگر زمیندار نے عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کردیا اور مال اُس کے مالِ تجارت یا دیگر اَموال کے ساتھ جمع ہوگیا، تو اُسے اُس کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی، (زکوٰۃ: معنیٰ ومفہوم، اہمیت، فضائل ومسائل، صفحہ نمبر 74,75)۔

عُشر ادا کرنے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، لہٰذا پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس پر عشر واجب ہے۔ اِسی طرح سال میں جتنی بھی فصلیں آئیں گی، ہر فصل پر عشر واجب ہے، زکوٰۃ کی طرح ایک مرتبہ نہیں ہے۔ عشر واجب ہونے کے لئے عقل اور بلوغت شرط نہیں ہے، بلکہ نابالغ اور مجنون کی زمین میں جو کچھ پیدا ہوگا اُس کا عشر ادا کرنا بھی واجب ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر کاشتکار کے پاس فصل کے علاوہ اگر قابلِ زکوٰہ مال و اسباب ہیں، تو اُن کی زکوٰۃ الگ سے ادا کی جائے گی۔ عشر کا معاملہ زکوٰۃ سے جدا ہوگا۔ جن ضرورت مندوں اور مستحقین کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اُنہی لوگوں کو عشر بھی ادا کی جانی چاہئے یعنی زکوٰۃ کے مصارف اور عشر کے مصارف ایک ہیں۔ ہمارے ہاں حکومتی سطح پر عشر کی جو وصولی کی جاتی ہے، اس میں کئی قسم کی شرعی قباحتیں موجود ہیں، جنہیں دور کئے بغیر عشر کی

ادائیگی درست نہیں ہوگی۔لہٰذا عشر خود ہی سے ادا کرنا چاہیے تا کہ اصل مستحقین تک اُن کا حق پہنچ سکے۔

حدیث نمبر:40

گداگری اور اِسلامی تعلیمات

حدیث مبارک:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاتَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِاَحَدِکُمْ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَ لَیْسَ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اُنہوں نے اپنے والد (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا جو شخص خود کو مانگنے کا عادی بنا لے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی کوئی بوٹی نہ ہوگی (یعنی اُس کا چہرہ بے نور ہوگا)۔

تخریج: (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب کراھۃ المسألۃ للناس، رقم الحدیث:2443)

تشریح:

زیرِ مطالعہ حدیث مبارک میں گداگری یعنی بھیک مانگنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔اس حوالے سے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی کئی دوسری احادیث کریمہ بھی موجود ہیں، جن میں بلاضرورت و مجبوری سوال کرنے سے سخت الفاظ کے ساتھ روکا گیا ہے۔جیسا کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا'' جو شخص بلاضرورت مانگتا ہے، وہ گویا اپنے ہاتھ میں انگارے چُنتا ہے''۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے

لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کیا تاکہ وہ مالدار ہو جائے تو وہ اپنے چہرے کو قیامت تک کے لئے مجروح کر دیتا ہے اور جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ اب جو شخص چاہے اپنے لئے یہ چیزیں زیادہ مقدار میں فراہم کرے یا کم مقدار میں، (ترمذی)۔ مزید یہ ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے کے لئے جائز ہے جو توانا و تندرست ہو، (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی)۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے یہ فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص رسی کپڑے اور اپنی پیٹھ پر لکڑی کا گٹھا لاد کر لائے، اِس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آئے اور اس سے سوال کرے، وہ اسے دے یا نہ دے۔ ذکر کردہ احادیثِ کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے بھیک مانگنے کے عمل کو ناپسند فرمایا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بھکاری کے چہرے سے رونق غائب ہو جاتی ہے اور انسانیت مجروح ہوتی ہے۔ لہٰذا بلاضرورت لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے والوں کو خود اپنے انجامِ بد پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

البتہ انتہائی ضرورت اور مجبوری کے تحت دستِ سوال دراز کرنے کی شریعتِ مطہرہ نے حدود و قیود کے ساتھ اجازت بھی دی ہے۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ سوال کرنا خراش (نوچنے) کی مانند ہے، جو بھی سوال کرتا ہے، وہ (دراصل) اپنے چہرے کو نوچتا ہے۔ لہٰذا جو شخص چاہے اپنے چہرے کو اِس حال میں رکھے اور چاہے ترک کر دے۔ البتہ ناگزیر صورتِ حال میں کسی صاحبِ اقتدار یا کسی اور سے سوال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح سنن نسائی کی ایک طویل حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ دستِ سوال دراز کر سکتے ہیں۔ جن میں دو یہ ہیں: (1) ایک وہ شخص جس کا مال کسی مصیبت کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، لہٰذا وہ سوال کر سکتا

ہے جب تک کہ اُسے گزر بسر کی چیزیں حاصل نہ ہوجائیں، (2) وہ شخص، جو فاقہ میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کے محلے کے تین افراد یہ کہہ دیں کہ وہ (واقعی میں) فاقہ زدہ ہے، تو وہ بھی اپنی گزر بسر کی حد تک سوال کرسکتا ہے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ ان کے علاوہ جو بھی سوال کرتا ہے، وہ حرام مال کھاتا ہے، (سنن نسائی)۔

کچھ عرصے پہلے تک کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا انتہائی معیوب عمل سمجھا جاتا تھا اور خال خال ہی لوگ بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ لیکن آج جب شاہراہوں، گلی کوچوں، فٹ پاتھوں، سگنلز اور چورنگیوں پر نظر ڈالی جائے، تو ہر جگہ بڑی تعداد میں بچے بچیاں، جوان مرد وعورت اور بوڑھے بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں، جو کسی مجبوری کے بغیر پیشے کے طور پر گداگری کررہے ہیں۔ انہوں نے بھیک مانگنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرلیے ہیں، جن کے ذریعے وہ سادہ لوح لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے بڑی آسانی سے اُنہیں بیوقوف بنالیتے ہیں۔ دراصل یہ تن آسانی اور مفت خوری کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس پیشے کو اپنانے میں انہیں کسی قسم کی شرمندگی نہیں ہوتی بلکہ اِس پر فخر کرتے ہیں کہ وہ محنت و مشقت کرنے والوں سے بہتر کمارہے ہیں۔ اِن جعلی اور تن آسان بھکاریوں کی وجہ سے حقیقی مستحق، سفید پوش اور ضرورت مند افراد امداد سے محروم رہ جاتے ہیں۔

آج گداگری ایک معاشرتی وسماجی ناسور کی صورت اختیار کرچکی ہے، جس کا سدِّ باب انتہائی ضروری ہے۔ ایسے بہت سارے گروہ وجود میں آچکے ہیں، جو باقاعدہ ان بھکاریوں کو اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں۔ اُنہیں بھیک مانگنے کے لئے جگہ الاٹ کی جاتی ہے۔ جہاں اُن کے علاوہ کوئی اور نہیں آسکتا۔ اِن میں اکثر جرائم پیشہ افراد شامل ہوتے ہیں یا بعد میں مجرم بن کر مختلف جرائم میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اخبارات میں اکثر یہ خبر پڑھنے کو ملتی

ہے کہ اِس گھناؤنے پیشے سے وابستہ خواتین گھروں میں بہانے سے داخل ہوکر پوری معلومات جمع کرلیتی ہیں اور پھر ڈاکوؤں کوفراہم کردیتی ہیں ۔آئے روز سڑکوں پر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں ،جب کسی راہ گیر کو اکیلے پاکر اُسے لوٹ لیا جاتا ہے۔الغرض گداگری کی وجہ سے جرائم کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ یہ واضح رہے کہ گداگری پرقانونی طور پر پابندی کے باوجود اِس میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔اس کی جملہ وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس گھناؤنے فعل کو باقاعدہ قانون کے ذمہ داروں کی معاونت حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اِنہیں ختم کرنے کے لئے کوئی بھی اقدام کامیاب نہیں ہوتا۔

گداگروں کا ایک گروہ وہ بھی ہے، جو ہیروئن، چرس، شراب اور دیگر منشیات کے عادی افراد پر مشتمل ہے۔اِن میں سے اکثر لوگ نشے کی عادت کی وجہ سے کام کاج اور محنت کے قابل نہیں ہوتے اور اِنہیں اپنا نشہ مٹانے کے لئے پیسوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے،لہٰذا یہ لوگ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھیک مانگنے کا سہارا لیتے ہیں۔اِس گروہ کے افراد اکثر بسوں پر، شہر کی مختلف شاہراہوں اور مارکیٹوں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور اپنے چال ڈھال سے فوراً پہچان لئے جاتے ہیں۔اِن منشیات کے عادی بھکاریوں کی وجہ سے ہماری نوجوان نسل کے اَخلاق و کردار پر بہت زیادہ منفی اثرات مُرتب ہورہے ہیں۔علاوہ ازیں گداگری ملک کی بدنامی اور رسوائی کا بھی باعث ہے۔

گداگری کے اس ناسور کو معاشرے سے ختم کرنے کے لئے اربابِ اختیار پر لازم ہے کہ وہ اِس حوالے سے انتہائی اَقدامات اُٹھائیں۔جو لوگ اِس قبیح فعل میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں، اُنہیں بھی قرار واقعی سزا دی جائے۔قانون شکنی کسی بھی صورت میں برداشت نہ کی جائے۔جو لوگ واقعی کسی مجبوری کے تحت اس ناپسندیدہ عمل میں مبتلا ہیں، اُن

کی مجبوریوں کو ختم کیا جائے۔ اُن کے لئے روزگار کے بہتر مواقع پیدا کئے جائیں۔ روز افزوں بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قابو پایا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں نے گداگری کو بطورِ پیشہ اختیار کیا ہوا ہے، اُن سے سختی سے نمٹا جائے، اُن کی اَخلاقی اور نفسیاتی تربیت کے لئے ادارے قائم کئے جائیں، جہاں اُنہیں اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں تربیت دے کر معاشرے کا فعال کارکن بنایا جائے۔ ان اُمورِ خیر میں زندگی کے تمام شعبہ ہائے سے تعلق رکھنے والے اَفراد بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تو پھر جلد بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

عام لوگوں کو چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ وخیرات اور دیگر عطیات ان گداگروں کو دینے کے بجائے اُنہیں اپنے عزیز واقارب اور حقیقی ضرورت مندوں کو دیں۔ اِس سے نہ صرف گداگروں کی حوصلہ شکنی ہوگی بلکہ زکوٰۃ وخیرات حقیقی مستحقین تک پہنچے گی۔ شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ حقیقی مستحقین کو ڈھونڈ کر اُنہیں اُن کا حق پہنچایا جائے۔ فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنی زکوٰۃ بغیر تحقیق کسی ایسے شخص کو دی، جو اِس کا مستحق نہیں ہے تو اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے عزیز واقارب کو زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے رشتہ دار اس کے (حسنِ) سلوک کے محتاج ہوں اور وہ انہیں چھوڑ کر دوسروں کو صدقہ دے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس پر (کرم کی) نظر نہ فرمائے گا۔ اور یہ فرمایا ہے کہ عزیز واقارب کو دینے سے دینے والے کو دُونا (double) ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینے سے ایک ثواب ہے اور رشتہ دار کو دینے سے دو ثواب ہے ایک صدقہ دینے کا اور دوسرا صلۂ رحمی کا۔ لہٰذا وہ رشتہ دار جنہیں صدقات واجبہ و

تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا جس کے رشتہ دار اس کے (حسنِ) سلوک کے محتاج ہوں اور وہ انہیں چھوڑ کر دوسروں کو صدقہ دے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس پر (کرم کی) نظر نہ فرمائے گا۔ اور یہ فرمایا ہے کہ عزیز واقارب کو دینے سے دینے والے کو دُونا (double) ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینے سے ایک ثواب ہے اور رشتہ دار کو دینے سے دو ثواب ہے ایک صدقہ دینے کا اور دوسرا صلۂ رحمی کا۔ لہٰذا وہ رشتہ دار جنہیں صدقات واجبہ وزکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، اگر وہ واقعی مستحق ہوں تو پہلے انہیں دی جائے بعد میں دوسروں کو۔ اس طرزِ عمل سے گداگری کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ذیل میں اختصار کے ساتھ اُن لوگوں کو تحریر کیا جارہا ہے، جنہیں زکوٰۃ ودیگر صدقاتِ واجبہ نہیں دیئے جاسکتے ہیں۔

(1) اپنی اصل یعنی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ۔

(2) اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ نواسی وغیرہ۔

(3) بیوی اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(4) سید اور بنو ہاشم

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

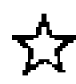
اشاریہ برائے یادداشت

حوالہ	صفحہ نمبر	مسئلہ

﴿مصنف کی دیگر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب ورسائل﴾

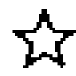
انوارِ اعتکاف

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی



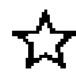
اِصطلاحاتِ اِسلامی معیشت ووراثت، صفحات: ۱۵۰ تقریباً

مطبوعہ شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی



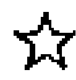
سرمایہ کاری کے شرعی احکام صفحات: ۳۵۰

شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی کے فقہ المعاملات کے نصاب کے مطابق



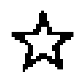
سعودی عرب کے ساتھ عید کیوں نہیں۔

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی ومکتبہ غوثیہ



طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح: اسباب ومحرّکات اور تدارک

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی



عیدِ میلادالنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور چند اصلاح طلب پہلو

مطبوعہ المنیب شریعہ اکیڈمی

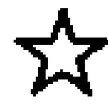


اَنوارِ قربانی

مطبوعہ اَنوارالشریعہ فاؤنڈیشن



اِسلامی بنکاری نظام میں تعزیر بالمال یا خیرات کا نظریہ، صفحات: ۸۰ (زیرِ طبع)



شریعت کے مآخذ (زیرِ طبع)



اِسلام اور عالمی ایّام (زیرِ طبع)



مروّجہ تکافل کا تعارف (زیرِ طبع)

رہنما اَقوال

حرام اَشیاء سے بچتے رہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے عبادت گزار شمار ہوگے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق کا جو حصہ مقدر فرمایا ہے، اس پر راضی رہو لوگوں میں (حقیقی طور پر) غنی بن جاؤ گے، (جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ہمارے بازاروں میں وہی خرید و فروخت کرے، جسے دین (تجارتی اَحکام) کی سمجھ ہو، (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

کسی عاقل و بالغ شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سیکھے بغیر معاملہ کرنا جائز نہیں، (حضرت اِمام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرَّحمہ)۔

میرے نزدیک اُس شخص کے لئے لین دین کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، جو (اپنی جہالت کی وجہ سے) حرام کو حلال کرے یا حلال و حرام میں تمیز ہی نہ کر سکے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، (اِمام مالک بن انس علیہ الرَّحمہ)